بسم الله الرحمن الرحيم

ماہنامہ مجلّہ

جمال نو

بریا گنج

"ومن احسن قولاً ممن
دعا الى الله وعمل صالحا
وقال انني من
المسلمين"

Jamia-tul-Falah ... Azamgarh (U.P.)

ماہنامہ مجلہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

جلد نمبر ۲۱	محرم و صفر ۱۴۲۶ھ مارچ و اپریل ۲۰۰۵ء	شمارہ نمبر ۳-۴

مدیر مسؤل	معاون مدیر
ابوالمکارم ازہری فلاحی	انیس احمد فلاحی مدنی

☆ سالانہ زرتعاون: ۹۰ روپے	☆ طلبہ کے لئے: ۶۰ روپے
☆ خصوصی زرتعاون: ۲۰۰ روپے	☆ اعزازی زرتعاون: ۱۰۰۰ روپے
☆ بیرون ملک: ۲۵ امریکی ڈالر	☆ اس شمارہ کی قیمت: ۱۵ روپے

اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو چکی ہے۔ لہذا جلد از جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

❖❖ مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے ❖❖

ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ **مجلہ حیات نو**، جامعۃ الفلاح

بلریاگنج، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۱۲۱

Phone: 05466-225115

نقوش حیات نو

☆ اداریہ :

دعوت الی اللہ کی فضیلت واہمیت	انیس احمد مدنی	۳

☆ درس حدیث :

دعوت کا اجر وثواب	محمد شعیب مدنی	۵

☆ مقالات :

دعوت الی اللہ کے چند گوشے	ڈاکٹر عبدالحلیم محمود	۷
دعوت محمدی کی تاثیر ابدی ہے	شیخ حسین عبداللہ	۱۲
راہ دعوت میں داعی کا زاد سفر	ڈاکٹر عبدالکریم زیدان	۲۵
میدان دعوت عالمی مذاہب کے تناظر میں	ابوارقم فلاحی	۳۴
غیر مسلموں میں دعوت دین کا انداز واسلوب	ڈاکٹر عبداللہ الزبیر عبدالرحمن	۳۸
دعوت کا وقت	ادارہ	۴۳
مدعو کے حقوق	ڈاکٹر عبدالکریم زیدان	۴۵
جاہلی معاشروں اور بت پرست علاقوں میں خفیہ دعوت کی مشروعیت	ابوطوبیٰ فلاحی	۴۸
تبلیغ میں تدریج	ڈاکٹر عبداللہ الزبیر عبدالرحمن	۵۱
راہ دعوت کی پریشانیاں تاریخی جائزہ	ڈاکٹر محمد امان بن علی الجامی	۵۷
ملی تنظیموں کی دعوتی سرگرمیاں بے اثر کیوں؟	ابوالمصر ندوی	۶۴

اداریہ

دعوت الی اللہ کی فضیلت واہمیت

انیس احمد مدنی

دعوت الی اللہ ایک مقدس انبیائی فریضہ ہے۔ اسی کی ادائیگی پر ملت اسلامیہ کی سعادت دارین موقوف ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیتوں اور نبی اکرم ﷺ کی متعدد احادیث میں اس کی فضیلت و اہمیت بیان ہوئی ہے۔ چند آیات واحادیث ملاحظہ ہوں۔

''ومن أحسن قولاً ممن دعا الیٰ اللہ عز و جلّ و قال اننی من المسلمین''

اس سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو خدا کی جانب جائے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔

''فو اللہ لئن یھدی اللہ بک رجلاً واحداً خیر لک من حمر النعم''

خدا کی قسم اگر اللہ تعالیٰ اسے علی ایک انسان کو بھی تیرے ذریعہ ہدایت کی توفیق دے دے تو یہ چیز تیرے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔

''من دل علی خیر فله مثل أجر فاعله''

جس نے کسی معمولی بھلائی کی جانب بھی رہنمائی فرمائی تو اس کے لئے اس بھلائی کرنے والے کے مانند اجر ملے گا۔

ماضی میں اقوام عالم پر اس امت کو برتری اور فوقیت دعوت وتبلیغ کے اس مقدس فریضہ کو ساتھ انجام دینے کے نتیجہ میں ہی حاصل ہوئی تھی۔ اسی عظیم ذمہ داری اور فریضہ سے غفلت نے ہی اسے ذلیل وخوار کر دیا ہے۔ حکیم الامت قاری محمد طیب صاحب لکھتے ہیں:

''صد حیف کہ آج یہ منصوبہ مسلمانوں سے تقریباً ختم ہو چکا ہے اور اسی لئے اقوام غیر کی نسبت سے ان کی برتری اور فوقیت جس نے انہیں خیر امت بنایا تھا افسانہ ماضی ہو کر رہ گئی ہے۔ نیز اسی نے یہ امت اقدامی ہونے کے بجائے جو اس کی اصل شان تھی محض دفاعی بن کر رہ گئی ہے اور ظاہر ہے کہ دفاع محض نہ صرف یہ کہ ارتقاء کا راستہ بند کرتا ہے بلکہ زوال وفنا کا پیش خیمہ بھی ثابت ہوتا ہے۔

چنانچہ امت پر محض اس اقدامی صورت حال کے ختم ہو جانے سے اقوام کی یلغار ہے اٹھیں اس پر ٹوٹی پڑ رہی ہیں اور امت مرحومہ ان یلغاروں کا دفاع کرتے کرتے نہ صرف تھک چکی ہے بلکہ تقریباً مایوسی کا شکار ہے۔''

یہ پہلو بھی مد نظر رہے کہ اسلام ہماری ملکیت نہیں بلکہ یہ ہماری گردنوں میں اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم امانت ہے۔ اور امانت کی وفاداری کا یہ تقاضہ ہے کہ اسے ان لوگوں تک پہنچایا جائے جو اس کی ادائیگی اور اس کی حفاظت و نگہداشت پر زیادہ قدرت رکھتے ہوں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر نبی اکرم ﷺ کے اس جملہ کا یہی مقصود ہے "لیبلغ الشاهد الغائب" چاہئے کہ حاضر غائب تک اس پیغام کو پہنچائے۔

آج اقوام عالم حیران و پریشان کھڑی ہیں۔ وہ ایسے دین اور عقائد کی متلاشی ہیں جس کے عقائد عقل کے موافق اور تعلیمات قلب وضمیر کو سکون فراہم کر سکیں۔ اور اگر اسلام کی دعوت مدعو اقوام کی زبان اور حکیمانہ اسلوب سے دی گئی ہوتی تو اب تک اس نے قلب وضمیر کو فتح کر لیا ہوتا۔ اور اسلام کے تعلق سے ان کا موقف بالکل جدا ہوتا اور انھیں میں سے بعض مخلص گروہ مل جاتے جو اپنے دیار میں اسلام کی تبلیغ ان وسائل و ذرائع سے کرتے جن پر ہم قادر نہیں۔

اے کاش امت کو ایسے مخلص دعاۃ مل جاتے جو مادی وسائل اور ترغیبات سے اوپر اٹھ کر صرف حسبۃ للہ دعوت کے اس فریضہ کو انجام دیتے اور جن کے قلوب میں رسولوں کا یہ جملہ "قل لا اسألكم عليه اجراً" (کہہ دیجئے میں تم سے اس کار دعوت پر کسی صلہ کا طالب نہیں ہوں۔) اتنا رچ بس جاتا کہ وہ دعوت کو روزی روٹی کا ذریعہ بنانے کے بجائے اس کی راہ میں اپنے جان و مال کی قربانی پیش کرنے کا بے پناہ جذبہ رکھتے۔

☆☆☆☆☆

درس حدیث

دعوت کا اجر وثواب

محمد شعیب مدنی

عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال : " من دعا الیٰ هدی كان له من الأجر مثل أجور من تبعه لا ينقص ذلك من أجورهم شيئاً و من دعا الیٰ ضلالة كان عليه من الاثم مثل آثام من تبعه لا ينقص ذلك من آثامهم شيئاً " رواه مسلم.

''جس شخص نے بھی ہدایت کی طرف بلایا تو جس نے اس کی اتباع کی اس کے اجر کے مثل اس داعی کے لئے بھی اجر ہے در آنحالیکہ وہ ان کے اجر میں سے کچھ بھی کم نہ کرے گا اور اسی طرح جس کسی نے گمراہی کی طرف بلایا تو اس کے لئے بھی گناہ ہے اس پر عمل کرنے والے کے گناہ کے مثل در آنحالیکہ وہ ان کے گناہوں میں سے کچھ بھی کمی واقع نہ کرے گا۔''

تشریح: اس حدیث میں دعوت الی اللہ اور دعوت الی الخیر کی عظیم فضیلت بیان ہوئی ہے۔ ''من'' کا لفظ عموم پر دلالت کرتا ہے داعی خواہ مرد ہو یا عورت، عالم ہو کہ تاجر سب کو محیط ہے۔ اسی طرح ''هدیٰ'' کا لفظ بھی نکرہ ہے جو عموم پر دال ہے۔ نیکی خواہ کتنی ہی معمولی ہو اس کا صلہ آخرت میں ضرور ملے گا۔ جس کو ''کان'' کے لفظ سے مزید مؤکد کر دیا گیا ہے۔ دعوت الی اللہ کا اللہ کے نزدیک بہت بڑا مرتبہ ہے۔ داعی حق کی جدوجہد، اس کی کاوشوں سے جو لوگ بھی راہ حق اختیار کرلیں وہ اجر کے مستحق ہیں ہی داعی کو بھی ان کے برابر ثواب ملے گا۔ اور جن لوگوں نے راہ حق اور ہدایت اختیار کیا ان کے اکرام و انعام میں سے ایک حصہ کاٹ کر داعی کو نہیں دیا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے ان سب آدمیوں کے برابر انعام سے نوازے گا۔

اور چونکہ ضلالت و گمراہی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے اس لئے اس کی طرف رہنمائی کرنے والے کے لئے سخت وعید ہے۔ جس نے برائی کا ارتکاب کیا اس کے لئے عذاب ہے ہی مگر جس نے برائی کی طرف رغبت دلائی اور سبب بنا اس کی بھی اللہ تعالیٰ نے گرفت کی اور جن لوگوں نے اس برائی کا

ارتکاب کیا سب غلط کاروں کی مجموعی سزا بھی بھگتنی پڑے گی۔

بظاہر دیکھنے میں داعی الی الشر کے ساتھ سختی کا معاملہ ہو رہا ہے۔ حقیقتاً اس کے ساتھ رحمت و شفقت ہے تاکہ وہ خیر کا داعی بنے اور عظیم صلہ حاصل کرے نہ کہ برائی کا داعی بنے اور برا بدلہ حاصل کرے۔ آپؐ نے اس طرح کے احکام متعدد مجالس میں بیان کئے ہیں۔ مثلاً ابو مسعود انصاری بھی روایت کرتے ہیں۔ "من دلّ علیٰ خیر فله مثل أجر فاعله"

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو لشکر کا کمانڈر بنایا اور سریہ روانہ کرتے وقت نبی کریم ﷺ کا نصیحتیں کرنا معمول تھا۔ آپؐ نے فرمایا اے علی اسلام کو نرمی سے نافذ کرنا، مشرکین کے ساتھ جنگ میں آمنے سامنے ہوتے وقت دوبارہ اسلام کی طرف دعوت دینا، اللہ کی قسم تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو ہدایت دیدے یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔ سرخ اونٹ عرب میں سب سے قیمتی سرمایہ تصور کیے جاتے تھے۔ مال غنیمت کی شکل میں سرخ اونٹ حاصل ہو سکتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا یہ تمہارے لئے بہتر نہیں ہے انسانوں کی ہدایت تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ گویا جنگ کی حالت میں بھی دین کو اول مقام دیا گیا۔

معاشرے کی اصلاح اور صالح معاشرے کے دوام میں دعوت الی الخیر لازمی شرط ہے اور یہ آخری حد نہیں ہے کہ وعظ و تلقین پر اکتفا کیا جائے بلکہ قوت و سیاسی اقتدار سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بھی انجام دینا امت مسلمہ کا فریضہ ہے اور اس ذمہ داری کو انجام نہ دینے کی صورت میں پچھلی امتیں اختلاف و انتشار کا شکار ہو کر اپنا عالی مقام کھو بیٹھیں اور یہ امت مسلمہ بھی اگر اس ذمہ داری میں کوتاہی برتے گی تو اس کا حشر سابقین سے مختلف نہ ہوگا۔ قرآن واضح آگاہی دیتا ہے "و لتكن منكم امة يدعون الى الخير و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر و أولئك هم المفلحون"

اور داعی الی الدین کے لئے حکمت اور دلیل مشفقانہ و ہمدردانہ رویہ اختیار کرنا ضروری ہے۔ مخالفین کے سخت و ترش لہجے کے جواب میں جادۂ مستقیم سے نہ ہٹے۔ اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دینے لگے بلکہ ہر صورت میں اپنی شائستگی برقرار رکھے۔ قرآن ہدایت دیتا ہے "ادع الى سبيل ربك بالحكمة و الموعظة الحسنة و جادلهم بالتي هي أحسن"۔

☆☆☆☆

دعوت الی اللہ کے چند گوشے

ڈاکٹر عبدالحلیم محمود

شیخ جامعہ ازہر، مصر

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: " ولتكن منكم امة يدعون الى الخير و يأمرون بالمعروف و ينهون عن المنكر و أولئك هم المفلحون " (آل عمران: ۱۰۴)

یقیناً "منکم" میں لفظ "من" تبعیضیہ ہے۔ اس لفظ نے فریضۂ دعوت سے ان لوگوں کو مستثنیٰ کر دیا ہے جو خیر کی جانب بلانے اور فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو انجام دینے کی استطاعت، اپنی عجز و درماندگی یا جہالت یا کمزوری کی بنا پر نہیں رکھتے۔

آیت کا یہ مفہوم اس مفہوم سے مکمل مطابقت رکھتا ہے جس میں "من" کو بیانیہ بتاتے ہیں۔ گویا پوری امت سوائے ان لوگوں کے جو اس فریضہ کی ادائیگی کی استطاعت نہیں رکھتے خیر و بھلائی کی جانب بلانے اور فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ادائیگی پر مامور ہے کیونکہ "ولتکن" میں لام، لام امر ہے اور لام امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ پھر قرآن میں دعوت کے پوری امت پر واجب ہونے کی صریح دلیل موجود ہے۔ ارشاد باری ہے: "كنتم خير امة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تؤمنون بالله"۔

یہ آیت دعوت الی الخیر کا حکم دے رہی ہے اور خیر سے مراد عمدہ اور بہترین اخلاق۔ اخلاق اسلامی فضاء میں دین سے مربوط ہے، اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اس کا منبع و ماخذ دین ہے۔ دین ہی پر اس کی اساس و بنیاد قائم ہے۔ اس کا مصدر دین حق کا مصدر ہے۔ یعنی وہ اپنی اصل میں خدائی و ربانی ہے۔ البتہ لوگ عصر حاضر میں اخلاق کا مصدر دین کے علاوہ دیگر چیزوں کو قرار دیتے ہیں۔

بعض لوگ اس کا مصدر انسانی ضمیر کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ صریح غلطی ہے کیونکہ ضمیر کی تربیت و تکوین، ماحول، زمانہ اور ثقافت سے پروان چڑھتی ہے۔ غور کیجئے، سفید چمڑی والے امریکی کے

پاس کالے امریکی کے لئے ضمیر کہاں ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ معاجم لغت میں لفظ "ضمیر" میں اخلاقی مفہوم وعنصر شامل نہیں ہے۔ ضمیر کا لفظ جس معنی میں آج مستعمل ہے اس معنی میں قرآن، سنت یا قدیم عربی شاعری میں کہیں بھی استعمال نہیں ہوا ہے۔ یہ معنی بالکل نیا ہے جسے ہم نے مغرب سے لیا ہے۔

"اخلاقی پریشانی" کے مؤلف ڈاکٹر آندرے کرسوں فرانسیسی لکھتے ہیں:

"اور جب منکرین نے تاریخ، واقعات اور مشاہد کا استقرائی مطالعہ کیا تا کہ ان کی روشنی میں ضمیر کی بابت صحیح بات تک پہنچیں تو انھوں نے پایا کہ ہر زمانے میں لوگ اپنے ضمیر سے مشورہ طلب کرتے رہے ہیں۔ لیکن آپ تمام لوگوں کو اس امر پر متفق پائیں گے کسی خاص زمانے کی بعض مخلص شخصیات کی نگاہ میں جو چیز عقل وبھلائی نظر آتی ہے وہ دوسروں کے لئے عدل وبھلائی کی چیز نہیں ہوتی دراں حالیکہ یہ لوگ بھی مخلص ہوتے ہیں البتہ ان کا وقت اور جگہ مختلف ہوتی ہے۔"

قدیم رومی قانون عورت اور بچوں کو شوہر کی ملکیت سمجھتا تھا۔ گویا وہ چوپائے اور سامان تجارت ہوں۔ چنانچہ باپ کو یہ حق حاصل تھا کہ اگر کوئی بیٹی ہوتو نومولود لڑکی کو عام مارکیٹ میں بیچنے کے لئے لائے۔

پھر یہ ہمارے اسلاف ہیں جو جرم کے محض گمان پر سزا کو نافذ کرتے تھے۔ وہ آگے لکھتے ہیں: دوسرے پہلو سے غور کیجئے بعض بالکل بدوی قبائل میں بھی بعض پابندیاں وفرائض قبول کی جاتی تھیں اور بعض امور کو مذہبی محرمات میں شمار کیا جاتا تھا جیسے بعض مخصوص قسم کے گوشت کی حرمت یا بلا پردہ کے عورتوں کا نکلنا وغیرہ۔

بحر اوقیانوس کے علاقے میں بعض طبعی وفطری امور کو رائج رسوم کے تحت حرام سمجھا جاتا تھا جیسے چھت کے نیچے کھانا، گھر کے اندر مریض کا رہنا، بال منڈوانے کے بعد ہاتھ سے کھانا کھانے کی حرمت وغیرہ۔

کیا سرمایہ دار جو میراث کے قوانین کے لئے دفاع کرتا ہے اس اشتراکی سے کم مخلص ہے جو اس کے خلاف جنگ کرتا ہے؟

کیا جمہوریت نواز جو انتخاب عالم کی تائید کرتا ہے اس ارستوقراطی سے کم اخلاص والا ہے جو جمہوری نظام کو غیر مناسب سمجھتا ہے؟

کیا فیلات جب مختلف قسم کے جھوٹ کو مباح قرار دیتا ہے تو اس کو اپنی اس رائے پر "السدت" سے کم یقین واطمینان ہوتا ہے جو جھوٹ کو حرام قرار دیتا ہے؟

کیا شارلوت کردی جس نے "مارا" کی زندگی کا خاتمہ کیا وہ اس امر پر یقین رکھتی تھی کہ اس کا یہ عمل عظیم اخلاقیات پر قائم ہے تو کیا اس کے وہ ہم وطن جو اسے گردن کاٹنے والی مشین تک ہنکا کر لائے وہ اپنے اس عمل کی اخلاقی قیمت پر اس سے کم ایمان رکھتے تھے؟

یہ چند مثالیں ہیں جو اس بات کے اثبات کے لئے کافی ہیں کہ زمانے، ثقافت وتہذیب کے اختلاف کے نتیجے میں ایک ہی ملک وماحول میں ضمیر مختلف ہوتی ہے۔ اور اگر عصر جاہلی میں عربوں کے ضمائر کا موازنہ عہد اسلامی کے عربوں سے کیا جائے یا مکہ میں مشرکین کے ضمائر کا آغاز اسلام کے مسلمانوں کے ضمیر سے موازنہ کیا جائے تو ہمیں شدید اختلاف کا سامنا کرنا ہوگا۔ اور ان تمام مقارنات سے یہ بات کھل کر سامنے آئی ہے کہ ضمیر کو اخلاق کی بنیاد بنانا حماقت اور فضول ہے۔

شیخ محمد شلتوت، شیخ الازہر نے ضمیر کے معاملہ میں فیصلہ کن بات کہی ہے، آپ لکھتے ہیں: بعض لوگوں کا گمان ہے کہ انسان کی سعادت وکامرانی کے لئے ضمیر کی آواز پر لبیک کہنا کافی ہے۔ اور انھیں وحی الٰہی اور شرع خداوندی کی حاجت نہیں۔ اور اگر وحی ہے بھی تو اس کے محتاج وہ لوگ ہیں جن کے ضمائر زندہ نہیں ہیں۔ دراں حالیکہ ان سے یہ بات فوت ہو رہی ہے کہ معاشرے کے لئے کیا چیزیں نفع بخش ہیں اور کیا غیر مفید۔ اس سلسلے میں لوگوں کی رائیں مختلف ہوتی ہیں۔ اور ہم بہت کم ایسا پائیں گے کہ کسی معین چیز کے نافع یا ضرر رساں ہونے پر سب کا اتفاق ہو۔ پھر ان کے ذہنوں میں شاید یہ بات بھی نہیں رہی کہ ایک ہی انسان کی نگاہ یا ضمیر خیر وبھلائی کی معرفت میں بدلتی رہی ہے۔ مختلف فلاسفہ نے اپنی قدیم رایوں سے رجوع کیا اور نئی رایوں کو اختیار کیا ہے۔ اسی لئے عصر حاضر میں مختلف نظریات جیسے جمہوریت فاشزم، نازی ازم، اشتراکیت وغیرہ باہم دست وگریباں رہے ہیں۔ بلکہ ایک ہی مذہب کے ماننے والوں کے درمیان تنازع رہا ہے بلکہ ایک ہی فرد کی رائے اس کی سابق رائے سے متناقض رہی ہے۔ اور یہ سب کے

سب لوگ ضمیر کی عدالت میں اپنے مقدمے لے کر گئے ہیں یا فضیلت و بھلائی کی معرفت میں انسانی ادراک کو انھوں نے حکم بنایا ہے اور یہ مقدمہ ایک ایسی بنیاد پر قائم کیا گیا ہے جو غیر ثابت اور غیر منضبط ہے اور جس کا انجام غیر مامون ہے۔ اور پھر یہ ضمیر نفس اور پورے عالم کو ایک ایسے راستے پر چلاتا رہا ہے جو خطرات سے پر ہے اور پورے عالم کے امن و استقرار کو خطرے میں ڈالے ہوئے ہے اور ہر چہار جانب جس کی وجہ سے جنگ و بربادی کے شعلے منڈلا رہے ہیں۔ مختلف و متضاد راہوں کے اثرات سے اس عالم کا نکلنا اسی وقت ممکن ہے جب ان راہوں کو ایک ایسی اساس کی جانب لوٹایا جائے جو ثابت اور منضبط ہو اور اس ذات نے اس کی بناء رکھی ہو جو نفوس کے خفایا اور انسانی جھگڑوں سے بخوبی واقف ہو۔

بعض لوگ اخلاق فاضلہ کی اساس مصلحت عامہ کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن مصلحت عامہ کا لفظ غیر معین ہے لہذا یہ کوئی قابل ضمانت اساس اخلاق کے لئے فراہم نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بعض لوگ اخلاق کو ذاتی مصلحتوں یا لذت اور منفعت کو قرار دیتے ہیں۔ یہ اہل مغرب کی رائیں ہیں۔ رہا اسلام تو یہاں اخلاق کی بنیاد قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جن میں اخلاق فاضلہ اور آداب جمیلہ کی توضیح کی گئی ہے اور جن کی بنیاد ایمان کی مضبوط و پختہ اساس پر قائم ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں:

''یقیناً اللہ عدل و احسان اور قرابت داروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیتا ہے اور فحش اور منکر اور زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے شاید کہ تم لوگ نصیحت حاصل کرو۔''

اور جیسے یہ آیت ''نیکی یہ نہیں ہے کہ مشرق و مغرب کی جانب تم اپنے چہروں کو کر لو، اصل نیکی اس شخص کی نیکی ہے جو ایمان لائے اللہ پر، یوم آخرت اور فرشتوں پر اور کتاب اور نبیوں پر اور مال کی محبت کے باوجود اسے قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں کو دے اور گردنوں کو چھڑانے میں خرچ کرے اور زکوٰۃ ادا کرے، اور اپنے عہد و پیمان کا پاس و لحاظ رکھے جب عہد کرے۔''

اور یہ سب سے جامع آیت ہے: ''رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی کے ساتھ چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ سلام کہہ کر گزر جاتے ہیں۔''

ابو جعفر کی روایت کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے '' ولتکن منکم امة یدعون الی الخیر '' میں خیر کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا اس سے مراد قرآن مجید اور میری سنت کی پیروی ہے۔

اخلاق فاضلہ کی دعوت کا حکم دینے کے بعد شریعت نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی کا حکم دیا ہے اور یہ فریضہ احیاء علوم الدین کے مولف کے بقول: ''امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا یہ فریضہ دین کا بنیادی محور ہے۔ یہ وہ بنیادی مقصد ہے جس کی تکمیل کے لئے تمام انبیاء کو بھیجا گیا ہے۔ اور اگر اس کی بساط لپیٹ دی گئی اور اس فریضہ کو مہمل و معطل چھوڑ دیا گیا تو نبوت کا مشن معطل ہو جائے گا اور نبوت سے پہلے کا زمانہ عود کر آئے گا اور گمراہی عام ہو جائے گی۔ اور جہالت پھیل جائے گی اور فساد پورے معاشرے میں پھیل جائے گا اور شگاف وسیع ہو جائے گا اور علاقے ویران ہو جائیں گے اور بندے ہلاک ہو جائیں گے اگرچہ انھیں اپنی ہلاکت کا احساس فیصلے کے دن ہی ہوگا۔ اور جس چیز کا ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں اس بنیادی محور کا علم و عمل مٹ نہ جائے اور بالکلیہ اس کی حقیقت اور صورت ختم نہ ہو جائے اور دلوں پر مخلوقات کی مداہنت غالب نہ آجائے اور ان سے خالق کی نگرانی کا احساس نکل نہ جائے، اور لوگ خواہشات نفس کی پیروی میں چوپایوں کے مانند آزاد نہ ہو جائیں اور روئے زمین پر کسی ایسے حقیقی مومن کا وجود دشوار و مشکل نہ ہو جائے جسے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ ہو۔ تو جو شخص اس شگاف کو پر کرنے کے لئے میدان عمل میں آئے گا اور اس فریضہ کو نافذ کرے گا اور اس سنت کو زندہ کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ پوری مخلوقات کے درمیان اس سنت کو زندہ کرنے کے لئے خدا کی جانب سے قابل ترجیح ہوگا جسے زمانہ نے مٹانے کے قریب کر دیا ہے اور ایک ایسی عظیم عبادت کو انجام دینے میں وہ منفرد ہوگا جس کی بلندی کے سامنے دیگر عبادتیں مضمحل ہوں گی۔

قرآن مجید میں معروف کی طرح منکر کی بھی وضاحت کر دی گئی ہے اور منکر کے بیان میں سب سے جامع یہ آیت ہے:

''کہہ دیجئے اے لوگو! آؤ میں تم لوگوں کے سامنے ان چیزوں کی تلاوت کروں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کر دی ہیں۔ یہ کہ تم لوگ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو اور مفلسی کے ڈر کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انھیں بھی، فواحش خواہ کھلے ہوں یا چھپے ان کے قریب نہ جاؤ اور اس نفس کو قتل نہ کرو جسے اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔ اس چیز کی وہ تمہیں وصیت کر رہا ہے شاید کہ تم سوچو۔ اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ

مگر بہتر طریقہ سے یہاں تک کہ وہ سن بلوغت کو پہنچ جائے اور ناپ تول کو پورا کرو عدل و انصاف کے ساتھ۔ ہم کسی آدمی پر اس کی استطاعت سے زیادہ اس کو مکلف نہیں بناتے۔ اور جب بولو تو عدل کرو خواہ قریبی ہی شخص کا معاملہ کیوں نہ ہو۔ اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، اس چیز کی اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کر رہا ہے شاید کہ تم نصیحت حاصل کرو۔"

یہ بات واضح رہے کہ معروف و منکر کے معیار میں مغرب کا نقطۂ نظر اسلامی نقطۂ نظر سے مختلف امور میں متضاد ہے۔ ان حالتوں میں خالص اسلامی فضا کو ترجیح دینا واجب ہوگا۔ ارشاد رسولؐ ہے: "واللہ لا یؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ"

"خدا کی قسم تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات میری شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔"

فریضہ امر بالمعروف کی ادائیگی میں لوگوں کی استعداد مختلف اور متفاوت ہے۔ بعض منکرات کے ازالہ میں قوت و طاقت کا استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ حاکموں کا مرتبہ ہے۔ اور بعض زبان سے منکرات کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں اور یہ ہر عارف کا مرتبہ و مقام ہے۔ کیونکہ ایک ناخواندہ شخص بھی چوری، غصب اور اچکنے کی حرمت سے اسی طرح واقف ہوتا ہے جس طرح ایک عالم، اور ذمہ داری کا دارومدار معرفت پر ہے۔ چنانچہ جہاں کہیں بھی معرفت پائی جائے گی وہاں ذمہ داری بھی عائد ہوگی۔ لہٰذا فریضہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کی ذمہ داری صرف علماء دین پر عائد نہیں ہوتی بلکہ یہ ذمہ داری ہر اس شخص پر واجب ہوتی ہے جو معروف و منکر کو جانتا ہو۔

بعض لوگ منکر کے سامنے صرف دل سے ٹھہر سکتے ہیں اگرچہ اس طبقہ میں وہ لوگ آتے ہیں جو زبان اور ہاتھ سے جہاد کرنے پر قدرت نہیں رکھتے۔ لیکن حقیقۃً اس میں پوری امت داخل ہے۔ کیونکہ ہاتھ سے جہاد کرنے والا دل سے جہاد کرنے والا بھی ہوگا۔ اور زبان سے جہاد کرنے والا بیک وقت دل سے جہاد کرنے والا بھی ہوگا۔ جہاد قلبی کے فقدان کی صورت میں ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ اور جہاد قلبی کا معنی منکر پر عدم رضامندی کا اظہار ہے۔ اور عدم رضامندی کا مظہر صاحب منکر سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہے جب وہ نصیحت پر کان نہ دھرے۔ اگر وہ تاجر ہو تو انسان اس سے نہ خریدے اور اگر وہ

خریدار ہو تو اسے نہ بیچے اور اگر دوست ہو تو اس سے دوستی کو ختم کر دے نہ تو اس کے ساتھ کھائے نہ پیے اور نہ ہی بیٹھے۔ اور اگر کسی مجلس کے لئے اس کی ترشیح ہو رہی ہو تو اس کی مدد کرے اور نہ ہی اس کو منتخب کرے۔ کیونکہ علانیہ منکر کا ارتکاب کرنے والا اللہ اور اس کے رسول کا دشمن اور مخالف ہے۔ اور اللہ کے دشمنوں کی سزا معروف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو حرام قرار دیا ہے کہ مومن علانیہ منکرات کا ارتکاب کرنے والوں سے صداقت و محبت کا عہد و پیمان باندھے۔

ارشاد باری ہے: "لا تجد قوماً یؤمنون باللہ و الیوم الآخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ و لو کانوا آباء ھم أو أبناء ھم أو اخوانھم أو عشیرتھم أولئک کتب فی قلوبھم الایمان و أیدھم بروح منہ و یدخلھم جنات تجری من تحتھا الأنھار خالدین فیھا رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون" (سورۃ المجادلۃ)

"تم کسی جماعت کو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہو ان لوگوں سے محبت کرتے ہوئے نہیں پاؤ گے جو اللہ اور اس کے رسول کے مخالف ہیں خواہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا خاندان کے لوگ ہوں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور ان کی تائید اپنی روح خاص سے کر دی ہے۔ وہ انھیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہوں گی جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے۔ یہی اللہ کی پارٹی کے لوگ ہیں۔ سنو اللہ کی پارٹی والے ہی کامیاب ہوں گے۔"

یہ ہے قلبی جہاد، یہ سلبی جہاد نہیں ہے بلکہ حقیقت میں علانیہ منکر کا ارتکاب کرنے والوں کا موثر علاج ہے کیونکہ علانیہ منکر کرنے والے کو جب معاشرے میں اپنے حقیر ہونے تیز ان کے اندر اس بات کا احساس پیدا ہوگا کہ لوگ اس سے اس طرح کنارہ کشی اختیار کر رہے ہیں جس طرح کسی خبیث وباء سے کی جاتی ہے تو وہ حالت اضطرار یا پسندیدگی کے ساتھ راستہ پر واپس لوٹ آئے گا۔

ابو سعید الخدریؓ روایت کرتے ہیں: "من رأی منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ و ذلک اضعف الایمان"

"تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو چاہئے کہ اسے ہاتھ سے مٹا دے اگر ہاتھ سے مٹانے کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے مٹا دے اور اگر زبان سے بھی مٹانے کی استطاعت نہ ہو تو دل سے مٹا دے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے مفسدین کو فساد پھیلانے سے روکنے کی ذمہ داری پورے معاشرے پر ڈالی ہے۔ بصورت دیگر ہلاکت سے پورا معاشرہ دوچار ہوگا۔ بخاری شریف میں ہے۔

حدود الٰہی پر قائم اور حدود الٰہی کو توڑنے والے دونوں فریقوں کی مثال ان لوگوں کے مانند ہے جو کسی کشتی پر قرعہ اندازی کریں تو بعض لوگوں کے حصہ میں اس کا اوپری حصہ اور بعض کے حصہ میں نچلا حصہ آئے۔ نچلے حصہ والے جب پانی کی ضرورت محسوس کریں تو انھیں اوپر جانا پڑے۔ انھوں نے اپنے دل میں سوچا اگر ہم اپنے حصہ میں سوراخ کر لیں اور اوپر والوں کو تکلیف نہ دیں تو بہتر ہوگا۔ تو اگر اوپر والے انھیں اس منصوبہ میں روکنے کی کوشش نہ کریں تو سب کے سب ہلاک ہوں گے اور اگر ان کا ہاتھ پکڑ لیں تو دونوں گروہ نجات پا جائیں گے۔"

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم لوگ ایک دوسرے کو نیکیوں کا ضرور حکم دو گے اور برائیوں سے ضرور روکو گے ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا عذاب مسلط کر دے گا پھر تم اسے پکارو اور وہ تمہاری دعا نہ سنے۔

ابو سعید الخدریؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

" افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر "

"سب سے بہترین جہاد ظالم سلطان کے پاس حق بات کہنا ہے۔"

نبی اکرم ﷺ نے فریضہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کی ادائیگی میں کاہلی برتنے اور سستی کرنے پر پوری امت کو دھمکی دی ہے۔ ابو داؤد میں ہے۔

"بنی اسرائیل میں سب سے پہلی کمزوری یوں در آئی کہ جب کوئی آدمی کسی دوسرے کی برائی کرتے پاتا تو کہتا اے آدمی، اللہ سے ڈر اور اس برے عمل کو چھوڑ دے کیونکہ یہ تیرے لئے حلال نہیں ہے پھر دوسرے دن بھی اسے اسی حالت میں پاتا تو نہ روکتا کیونکہ وہ اس کا ہم پیالہ اور ہم نوالہ تھا۔ جب

عمومی طور پر یہ صورت حال پیدا ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی پھر آپ ؐ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: "لعن الذين كفروا ......" بنی اسرائیل کے کافروں پر داؤد اور عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ لعنت کی گئی اس لئے کہ انھوں نے گناہ کیا اور وہ زیادتی کرتے تھے۔ اور وہ باہم ایک دوسرے کو اس برے کام سے نہیں روکتے تھے جسے وہ کرتے تھے۔ کتنا ہی برا ان کا یہ عمل تھا۔

پھر آپ ؐ نے فرمایا: "خدا کی قسم تم لوگ فریضہ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کو انجام دینا اور ظالم کا ہاتھ ضرور پکڑنا اور اسے حق پر ضرور موڑتے رہنا ورنہ اللہ تمہارے دلوں پر مہر لگا دے گا اور پھر بنی اسرائیل کی طرح تم پر بھی وہ لعنت نازل کر دے گا۔"

ابوبکر صدیقؓ نے اس آیت کے سیاق میں جس کا مفہوم بہت سارے لوگوں کے سامنے مشتبہ ہو گیا تھا "يا أيها الذين آمنوا عليكم أنفسكم لا يضركم من ضل اذا اهتديتم" فرمایا کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ لوگ جب ظالم کو ظلم کرتے ہوئے بھی دیکھیں اور پھر بھی اس کا ہاتھ نہ پکڑیں تو قریب ہے کہ اللہ ان پر عمومی عذاب مسلط کر دے۔"

مختصر یہ کہ:

[۱] خیر و بھلائی کی جانب بلانا افراد اور حکومت دونوں کی ذمہ داری ہے۔ اور دعوت الی الخیر میں بنیادی چیز توحید کی دعوت دینا ہے یعنی خدائے واحد کی اطاعت، عبادت و استعانت کو اسکے لئے خاص کرنے کی دعوت۔ اور اس بات کی دعوت کہ "اذا سألت فاسأل الله و اذا استعنت فاستعن بالله" (جب تم مانگو تو اللہ سے مانگو اور جب مدد چاہو تو اللہ سے مدد چاہو۔)

توحید کی دعوت اصلاً قانون سازی، عقیدہ و اخلاق میں اللہ کو واحد کرنے کی دعوت ہے۔

[۲] امر بالمعروف میں معروف سے مراد معروف اسلامی ہے جسے وحی شریف نے بیان کر دیا ہے۔

[۳] نہی عن المنکر میں منکر سے مراد وہ منہیات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے۔ اور جب ہم ان امور کو انجام دیں گے تو ہم عذاب الٰہی سے بچ جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رعایت و کفالت اور حمایت و توفیق میں لے گا۔

دعوت محمدی ﷺ کی تاثیر ابدی ہے

تحریر: شیخ حسین عبداللہ باسلامہ
ترجمانی: مولانا مفتی محمد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

دور حاضر میں الحاد و تشکیک کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے، جس نے نئی مسلم نسل اور سادہ لوح لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ کچھ لوگوں نے ملحدین اور مستشکلین کی کتابوں سے چند جملے یاد کر لئے جنھیں وہ ہمیشہ دہراتے رہتے ہیں جبکہ وہ ان کی حقیقت سے ناآشنا اور شریعت کے بنیادی قواعد سے ناواقف ہیں۔ اسی طرح وہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ پوری دنیا انتہائی جہالت اور صریح گمراہی کا شکار ہے۔ مثلاً ان کے چند جملے یہ ہیں:

☆ محمد ﷺ نے تمدن اور عمرانیات کے شعبے میں کیا کیا؟

☆ اگر محمد ﷺ اس دور میں ہوتے جو آزادی، روشن خیالی اور تمدن کا دور ہے، تو کیا کرتے؟ کیا وہ کچھ کر سکتے تھے؟

☆ محمد ﷺ کا پیغام اس زمانے کے جاہل بدوؤں کی ذہنی سطح کے مطابق تھا، وہ اب اس زمانے کی صلاحیت نہیں رکھتا جس میں تہذیب و تمدن اور عمرانیات ترقی کے اس مقام پر پہنچ گئی جہاں تک انسانی عقل کی رسائی ہو سکتی تھی۔

اس طرح کی اور بہت سی باتیں جو ان کی جہالت، باطنی اضطراب اور ان کے کفر و الحاد کی عکاس ہیں، ان کے اس فکری اضطراب کا نتیجہ ہے کہ وہ محمد ﷺ کے پیغام میں سنجیدگی سے غور کرنے سے محروم ہیں۔

یہ لوگ کسی بھی صاحب عقل کی نظر میں اس لائق نہیں ہیں کہ ان کا جواب دیا جائے، یا ان کی بکواس پر کان دھرا جائے۔ ان صفحات کے تحریر کرنے کا مقصد اس نئی مسلم نسل کے ساتھ ہی خواہی ہے جو بدقسمتی سے ان اسکولوں اور کالجوں میں تعلیم حاصل کر رہی ہے، جس میں تعلیم و تربیت کے ذمہ دار بھی مغربیت

زدہ افراد ہیں، تاکہ یہ نئی نسل پیغمبر اعظم، رسول رحمت ﷺ کے عظیم کارناموں سے روشناس ہو سکے۔

راقم سطور نے سیرت، اسلامی تمدن، اسلامی تاریخ اور خلفاء کی سیرت کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھی ہیں، جن میں صرف سیاست اور معاشرے سے بحث کی گئی، قانون سازی، فقہ، معجزات، توحید، حکم و مواعظ، طب اور فلکیات کو موضوع بحث نہیں بنایا گیا، کیوں کہ ان موضوعات پر علماء کی سینکڑوں کتابیں آچکی ہیں جو لوگوں کی ضرورت کے لئے کافی ہیں۔

یہ سلسلہ علماء اسلام کی دو سو سے زائد معتبر کتب کی مدد سے سہل اور آسان انداز میں مرتب کیا تاکہ مسلمانوں میں ہر طبقے کے لوگ کتب لغت کی ورق گردانی کئے بغیر اس سے بآسانی استفادہ کر سکیں اور جان سکیں کہ جہالت و گمراہی، غلامی و ناداری اور ظلم و بربریت سے انسانیت کو بچانے والے پیغمبر کے حالات زندگی کیا تھے؟ ان کا طریقہ اصلاح کیا تھا؟ عرب کے صحرانشینوں کو شقاوت و بدبختی کے عمیق غار سے نکال کر سعادت و ترقی کے اوج پر پہنچانے میں انھیں کیسی کیسی مصیبتوں اور آزمائشوں سے دوچار ہونا پڑا؟ نیز یہ حقیقت بھی واشگاف ہو سکے کہ صحرائے عرب کے ناخواندہ بدوؤں، جنھوں نے مدرسہ نبوت میں تربیت حاصل کی تھی نے سیاست و تمدن، علم و تہذیب اور معاشرت و عمرانیات میں مختلف اقوام کی قیادت کی اور اسلام کو دنیا کے چپے چپے میں پہنچا دیا۔

اسلام کی ترقی صحیح ایمان اور مسلمانوں کے باہمی اتحاد و اتفاق پر مبنی ہے۔ اس شاہراہ پر گامزن ہوئے اور اپنے ذہنوں کو الحاد و مادیت اور ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک کئے بغیر مسلمانوں کی زندگی بالکل بے معنی ہے۔ عظمت رفتہ کی بازیابی محمد ﷺ کی سیرت اور طریق کار کے گہرے مطالعے اور ان کے اصولوں پر ثابت قدمی، ایمان صحیح سے لبریز دل، نور ہدایت سے منور فکر، جہالت و جمود سے پاک عقل کے بغیر ممکن نہیں۔ آج بھی مسلمان اگر اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو یقیناً وہ اسی عزت و شرافت اور قیادت و امامت کے بلند مقام کے مالک ہو سکتے ہیں جس کے وہ ماضی میں مالک تھے۔

ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ بات آئے کہ اب اس کا وقت نکل چکا ہے جیسا کہ کچھ پست ہمت اور کم حوصلہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ اب یہ آخری زمانہ ہے اور مافات کی تلافی ممکن نہیں۔ ان کا یہ کہنا درست نہیں ہے بلکہ معاملہ اب بھی آسان ہے۔ ہدایت کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ ہدایت تک پہنچنا بھی

آسان ہے۔ حق کے طالب اور کامیابی کے شدید جستجو کے لئے نبی رحمت ﷺ کے پیغام کی اتباع کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ اور یہ ہر زمانہ میں آسان رہا ہے۔

بہر حال اگر مسلمان غفلت و جہالت میں پڑے رہیں گے، راہ ہدایت کو نہیں اپنائیں گے اور ملحدین و متشککین کی تقلید کریں گے جو حق مسلم نسل کی اصلاح کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں، اور راہِ سعادت سے سرتابی کے ساتھ ساتھ اسے قدامت پرستی اور دقیانوسی جیسے نفرت آمیز نام دیتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کی یہی روش رہی تو ان کی تباہی میں کوئی شبہ نہیں کیونکہ مسلمانوں کی کامیابی کا صرف ایک راستہ ہے وہ یہ کہ محمد ﷺ، صحابۂ کرامؓ اور علمائے امت کی پیروی کی جائے۔ کسی بھی غیرت مند مسلمان کو ان ملحدین کی باتوں سے دھوکے میں نہیں پڑنا چاہئے کہ محمد ﷺ غیر متمدن دور میں آئے، وہ اگر اس زمانے میں آتے جو تمدن کا زمانہ ہے تو کچھ کر نہیں سکتے تھے۔ تو جاننا چاہئے کہ یہ لوگ محمد ﷺ کے کارناموں ہی سے ناواقف ہیں اور جب تک یہ لوگ الحاد و تشکیک میں پڑے رہیں گے اس وقت تک یہ جاننا بھی ان کے لئے مشکل ہے کہ محمد ﷺ نے کیا کیا۔ عالم انسانی کو ان کی بعثت سے کیا ملا۔ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ الحاد و تشکیک کے ان علمبرداروں کا مقابلہ کرے جن کا مقصد مسلم معاشرے کے سادہ لوح لوگوں کے ذہنوں کو خراب کرنا ہے۔ یہ تو ایسے لوگ ہیں جو اپنے مسلمان ہونے پر عار محسوس کرتے ہیں اور اپنے آباء و اجداد پر اس لئے غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں کہ انھوں نے ان کے اسلامی نام رکھے۔ لیکن وہ اس حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ وہ مسلمان نہیں ہیں، اگرچہ ان کے آباء نے ان کے اسلامی نام رکھ دیئے ہیں، کیونکہ اسلام کے کچھ شرائط، عقائد اور مخصوص اعمال ہیں، آدمی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے اندر اسلام کے وہ شرائط نہ پائے جائیں۔

جہاں تک ان کے جواب کا تعلق ہے تو میں ان کا جواب اپنی کتاب (حیاۃ سید العرب) میں لکھ چکا کہ محمد ﷺ عرب قوم میں مبعوث ہوئے۔ جب آپ نے ان میں اپنی دعوت کا اعلان کیا تو سب سے پہلے آپ کے گھرانے کے لوگوں نے، پھر قریش کے قبائل، پھر تمام عرب نے آپ کی مخالفت کی۔ آپ کا بائیکاٹ کیا اور صحابہ کو قسم قسم کی تکلیفیں دیں۔ لیکن اس کے باوجود آپؐ کے پایہ استقامت میں ذرا بھی جنبش نہیں آئی بلکہ آپ خفیہ و اعلانیہ مسلسل تیرہ سال حکمت و موعظت کے ساتھ خدا کے پیغام کی دعوت دیتے رہے۔ تیرہ سال کی اس طویل مدت میں پیہم کوشش اور سخت کشمکش کے بعد مختلف طبقوں سے تعلق

رکھنے والے تقریباً سو آدمی آپ کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ ادھر قریش نے آپ کے قتل کی سازش کی تو آپ اور آپ کی یہ جماعت مدینہ ہجرت کرگئی۔ ہجرت کے بعد آپؐ کے متبعین کا دائرہ وسیع ہوا۔ آپ کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں ان میں کچھ ایسے لوگ بھی نکلے جنھوں نے ملت کی کامیاب قیادت کی اور اپنے زمانے کے سربراہوں سے فوقیت لے گئے۔ مشرق کی دو عظیم سلطنتوں ایران و روم کو زیر نگیں کرلیا۔ صرف نصف صدی میں ساری دنیا کو فتح کرلیا جس کا اعتراف فرانس کے سابق فرمانروا نپولین نے بھی کیا۔

جب واقعہ یہ ہے تو بالفرض محمد ﷺ اس روشن خیالی اور ترقی کے دور میں موجود ہوتے تو معاملہ غیر متمدن دور کے مقابلے میں زیادہ آسان ہوتا کیونکہ تعلیم یافتہ اور روشن خیال کے ساتھ گفتگو تاریک خیال بدوؤں کے ساتھ گفتگو کے مقابلے میں زیادہ سہل ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت جلد ان کی زمام قیادت لے لیتے۔ موجودہ دور کے وہ پیچیدہ مسائل جن کو حل کرنے میں بڑے بڑے دانشوروں کی عقلیں حیران ہیں سلجھا دیتے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کیونکہ جو شخص وحشی اور غیر شائستہ قوم کی اصلاح کرسکتا ہے تو اس کے لئے روشن خیال، متمدن اور تعلیم یافتہ لوگوں کی اصلاح اور قیادت کیا مشکل ہے؟ یہ تو اس وقت ہے جب کہ محمد ﷺ کی موجودگی اس دور میں فرض کی جائے جس میں روئے زمین پر کوئی مسلمان نہ ہو اور اگر محمد ﷺ موجود ہوتے اور چالیس لاکھ کلمہ گو مسلمان ہوتے، ان میں تعلیم یافتہ، روشن خیال، متمدن، طاقتور اور بہادر بھی ہوتے اور ان میں شیرازہ بندی، اتحاد و مہاجرین و انصار جیسی اخوت کی ضرورت ہوتی تو یقیناً آپؐ انھیں بہت جلد ان چیزوں سے بہرہ مند کردیتے، حکمت کے ساتھ ان کی قیادت کرتے، انھیں عظمت و سربلندی اور تہذیب و تمدن کے بام عروج پر پہنچا دیتے اور مسلمانوں پر کوئی زیادہ زمانہ نہ گزرتا کہ متمدن عالم کی قسمت ان کے ہاتھ میں ہوتی، جس کی نظیر خلفاء کے زمانہ میں دنیا نے دیکھ لی۔

یہ بات محتاج دلیل نہیں ہے کہ ماضی قریب میں بہت سی معزز طاقتور، متمدن اقوام کی قسمت چند افراد کے ہاتھوں میں رہ چکی ہے۔ مثلاً جرمنی کی قسمت ہٹلر کے ہاتھ میں، اٹلی کی مسولینی کے ہاتھ میں، ترکی کی مصطفیٰ کمال اتاترک کے ہاتھ میں، ان میں ہر ایک اپنی قوم کا ایک فرد تھا کوئی نبی نہیں تھا جس پر وحی نازل ہوتی ہو اور جس کا نظام خداوندی نظام ہو، جس میں غلطی کا امکان نہ ہو، بلکہ ان میں سے ہر ایک کا نظام خود ساختہ تھا جس میں تغیر و تبدل کی ہر وقت گنجائش تھی۔

اگر معاملہ یہ ہے تو بالفرض اگر محمد ﷺ اس زمانے میں ہوتے اور عالم اسلام کی قیادت اس خداوندی نظام سے کرتے جس کی افادیت کا اعتراف مغربی دانشوروں نے بھی کیا تو کیا ہم عصر اقوام سے زیادہ ترقی نہ کر لیتے؟

اگر معترضین کا مقصد یہ ہے کہ محمد ﷺ موجودہ زمانے میں نئی ایجادات مثلاً ٹینک، طیارے، بکتر بند گاڑیاں، تباہ کن آلات، زہریلی گیسوں کے سامنے کیا کر سکتے تھے؟ تو ان کی انتہائی جہالت ہے کیونکہ اگر انھوں نے کم از کم مستشرقین ہی کی طرح تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہوتا تو یہ بات ان پر عیاں ہو جاتی کہ محمد ﷺ صحابہ کرام اور مسلم حکمرانوں نے اس میدان میں کیا کیا، نیز انھیں یہ معلوم ہو جاتا کہ عربوں کی اس سلسلے میں کیا خدمات رہیں۔

چنانچہ میں نے حیاۃ العرب کے پچھلے حصے میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے عربوں نے جہاز سازی کا کام شروع کیا۔ اس کے بعد فینقیوں نے بحر متوسط اور ایجین میں جہاز رانی شروع کی۔ جب اسلام کی روشنی آئی اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو اس وقت مسلمانوں کے ہتھیار، تیر، نیزہ اور کمان تھے۔ جب مسلمانوں نے اپنے دشمنوں کو منجنیق اور توپ استعمال کرتے ہوئے دیکھا تو فوراً ایسی ہتھیار ان سے اچھے تیار کر لیے۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں حضرت معاویہؓ نے جزیرہ قبرص پر مسلمانوں کے خود ساختہ ایسے بیڑے سے حملہ کیا جو دشمن کے بیڑے سے طاقتور تھا اور فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوئے۔ اس کے علاوہ بے شمار جنگی وسائل جو مسلمانوں نے تیار کیے، جن سے دشمن پر جنگ کے ہر میدان میں غالب رہے، اور مسلمانوں کی ایجادات ماضی میں عرصہ دراز تک مغرب کی ایجادات کے مقابلے میں فائق رہیں، بلکہ جس وقت مغرب اپنی جہالت کے شب تاریک سحر کر رہا تھا تو اس وقت دنیا میں صرف مسلمانوں کی ایجادات موجود تھیں جس کی شہادت پروفیسر واٹ، پروفیسر ہنکس اور فرانس کے سابق وزیر پروفیسر رودی نے بھی دی، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

البتہ مسلمانوں کو یہ فوقیت و برتری اس وقت حاصل تھی جب ان میں قوت عمل اور جوش کردار تھا۔

اگر بالفرض محمد ﷺ اس دور میں موجود ہوتے تو مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرتے اور انھیں ترقی کی راہ پر گامزن کرتے جیسا کہ خود مغربی دانشوروں کا کہنا ہے، اور ایسی ایجادات تیار کرنے کا حکم دیتے جو دشمنوں کی ایجادات سے زیادہ طاقتور و موثر ہوتیں۔ قرآن کریم نے "اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ"

میں تلوار اور عمدہ گھوڑوں کے ذریعہ جنگی تیاری کا حکم دیا، مسلمانوں نے اس سے تیاری کی۔ اب موجودہ زمانے میں طیارے، زرہ پوش گاڑیاں، ٹینک، تباہ کن آلات، زہریلی گیس ہتھیار ہیں تو اس قسم کے ہتھیاروں سے تیاری ضروری ہے۔ بہت ممکن ہے کہ یہ جنگی آلات جو موجودہ دور میں رائج اور مقبول ہیں، آنے والے زمانے میں ایسے ہتھیار تیار ہو جائیں جن کے سامنے موجودہ زمانے کے ہتھیاروں کی وہی حیثیت ہو جو آج تلوار اور نیزہ کی ان کے سامنے ہے۔ اگر معترضین کا یہ خیال ہے کہ محمد ﷺ اس زمانے میں بھی مسلمانوں کو موجودہ ایجادات کے بجائے تلوار، کمان اور نیزہ سے تیاری کا حکم دیتے تو یہ ایک مضحکہ خیز بات ہے۔ موجودہ ایجادات اہل مغرب پر آسمان سے نہیں نازل ہوئیں اور نہ کوئی پیغمبر من جانب اللہ خاص طور پر ان کے لیے لے کر آیا، بلکہ وہ فکر و تحقیق اور تجربوں کا نتیجہ ہیں۔ یہ بات ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جس کے پاس عقل و دانش کا تھوڑا سا بھی حصہ ہے۔ اگر مسلمان ایجادات میں مغرب کا مقابلہ کرتے تو اگر ان پر فائق نہ ہو پاتے تو کم از کم ہر چیز میں ان کے ہم مقابل تو ہو ہی جاتے اگرچہ ان کے اسلاف اپنے معاصرین پر ہر چیز میں فائق رہے۔

مذکورہ بالا سطور سے یہ چیز واضح ہو گئی کہ اسلام کا قصور نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کا قصور ہے جنھوں نے اپنی دینی و دنیوی ذمہ داری کو ادا کرنے میں کوتاہی کی، جس کے نتیجے میں انھیں ذلت و پسماندگی اور غلامی کا سامنا کرنا پڑا۔ بالفرض محمد ﷺ اگر موجودہ دور میں ہوتے تو آپ کے زمانے پر قیاس کرتے ہوئے آپ کا کردار یہ ہوتا کہ مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کر کے ترقی کی راہ پر گامزن کرتے اور الحاد و تشکیک کے سلسلہ میں سب سے پہلے آپ ان کے سرچشموں کو بند کرتے۔ عیسائی مبلغین کی وہ کتابیں جو اسلام پر بہتان طرازیوں سے پر ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں میں "تجدد" کے نام سے شائع کی جاتی ہیں، دریا برد کرتے، وہ شراب خانے جو ملحدین کی مجالس ہیں انھیں نذر آتش کر دیتے۔ اس طرح انسانیت اور نئی مسلم نسل کو ان کے شر سے محفوظ کر دیتے۔

یہ قیاس بالکل صحیح ہے کیونکہ محمد ﷺ نے اپنے زمانے میں مشرکین مکہ اور یہودی قریظہ جن میں (حی بن اخطب اور دوسرے منافقین بھی تھے) کی اصلاح کی حتی الامکان کوشش کی، لیکن جب ساری اصلاحی کوششیں رائیگاں ہو گئیں تو انھیں عبرت ناک سزا دینے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں پایا۔

اس کے باوجود عصر حاضر میں محمد ﷺ یا آپ کے کسی خلیفہ مثلاً ابوبکرؓ یا عمرؓ یا آپ کے کسی کمانڈر

مثلاً خالد بن ولید یا سعد بن ابی وقاص کی ضرورت نہیں بلکہ صحابہ سے بھی کم درجہ کسی کمانڈر جیسے ابن ہبیرہ یا ابن ابی لیلیٰ یا موسیٰ بن نصیر یا طارق بن زیاد یا سلطان صلاح الدین کی بھی ضرورت نہیں، نیز موجودہ دور میں ان کمانڈروں کے علاوہ ان سے کم درجے کے دوسرے کمانڈروں کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ وہ قرآن جو محمد ﷺ پر نازل ہوا تھا بعینہٖ ہمارے پاس ہے۔ اس میں ایک لفظ یا ایک نقطے کی بھی تبدیلی نہیں ہوئی۔ نیز محمد ﷺ کی وہ ہدایات جو آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کو دیں سب ہمارے پاس محفوظ ہیں اور یہ دونوں چیزیں قیامت تک کے انسانوں کی ہدایت کے لئے کافی ہیں بلکہ عصر حاضر میں صرف ضرورت ایسے افراد کی ہے جو مسلمانوں کی اصلاح کریں، باہمی تعلقات قائم کرائیں اور ان اصولوں پر شیرازہ بندی کریں جن پر خلفائے راشدین اور ان کے بعد کے خلفاء قائم تھے۔ اور یہ کوئی مشکل کام نہیں، سب سے پہلے یہی کام ضروری ہے کیونکہ ہم اختلاف وانتشار کے آخری نقطے تک پہنچ چکے ہیں۔ وہ بیڑیاں ہم توڑ دیں جن سے دشمنوں نے ہم کو جکڑ دیا ہے، وہ بدعات وخرافات دور کردیں جو دین میں در آئی ہیں، جنھوں نے ہمیں سلف صالحین کی روش سے دور کردیا ہے، ان الحاد وتشکیک کے مراکز کو ختم کردیں جو نئی مسلم نسل کی پسماندگی کا سبب ہیں۔

جب ہم یہ کام کرلیں گے اور بدعت وخرافات، الحاد وتشکیک سے دور ہو جائیں گے، ہر کس و ناکس کی اندھی تقلید جیسی خطرناک بیماری سے شفا پا جائیں گے تو اس وقت ہمیں چودہ سو برس پیچھے لوٹنا ہوگا تاکہ ہم اسلامی اتحاد کے معمار اول محمد ﷺ کی تعلیمات کا بغور مطالعہ کریں، پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے کارناموں میں غور کریں اور دیکھیں کہ ان کے مبارک دور میں کیا ترقی ہوئی، پھر اسلام کے ان عظیم سربراہوں کے نقش قدم پر چلیں جن کے ہاتھوں دنیا کے بے شمار ممالک فتح ہوئے، ان فاتحین نے ان ممالک کی اقوام کو آزادی اور انصاف سے آشنا کرایا اس لئے انھوں نے ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا۔ جب ہم اس میں کامیاب ہو جائیں گے اور شریعت ومعاشرت، سیاست وتنظیم اور عمرانیات کے تمام نظاموں کی پوری معلومات حاصل کرلیں گے تو اس وقت ہمارے لئے ان کے تقاضوں پر چلنا ضروری ہوگا۔ پھر جب ہم اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دے دیں گے تو ہمارے لئے عالم اسلام کو اس ایمان کی لڑی میں پرونا آسان ہو جائے گا جس میں انتشار ہے نہ اختلاف، الحاد ہے نہ تشکیک اور بدعت ہے نہ خرافات۔ اسطرح ہم دنیائے اسلام کی شیرازہ بندی کرسکتے ہیں۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا طریقۂ کار کیا ہوگا؟ ہمارے خیال میں مطلوبہ اصلاح کا طریقہ یہ ہے:

عالم اسلام، دین وملت سے ہمدردی رکھنے والے طاقتور رجال کار کا انتخاب کرے اور انھیں تقسیم کار کے اصول کے تحت جماعتوں میں تقسیم کرے۔ ایک جماعت اسلامی مدارس میں تعلیم وتربیت کی ذمہ داری سنبھالے، ہر مسلم قوم اپنے مدارس میں اپنے ملک کی زبان کے ماہر اساتذہ رکھے، عربی زبان کو لازم قرار دے تاکہ امت مسلمہ کے ساتھ ہر قسم کا تبادلہ آسان ہو، ان مدارس سے الحاد وتشکیک کے اساتذہ کو بے دخل کردیا جائے جو درحقیقت عیسائیت کے مبلغ اور نئی مسلم نسل کی گمراہی کا اصل سبب ہیں۔ چنانچہ یہ منتخب اساتذہ صحیح عقائد، اسلامی معاشرت، انسانی اخوت، اعلیٰ اخلاق، اتحاد واتفاق کی بنیادوں پر مسلم نسل کی تربیت کریں۔

دوسری جماعت محفلوں اور عمومی جلسوں میں محاضرات Lectures اور سماجی تقریروں کی ذمہ داری سنبھالے۔ اور ہمت وجواں مردی، اور جرأت وبیباکی کے ساتھ آگے بڑھے، کسی کی دھمکی انھیں روک نہ سکے، اور صبر واستقامت سے کام لے جس طرح محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ نے سخت سے سخت مشقتوں اور مصیبتوں کو برداشت کیا اور اپنے مقصد میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ اگر یہ مصلحین ثابت قدمی کے ساتھ چند سال کام کرلیں تو یقیناً وہ اسی طرح عام مسلمانوں کے دلوں میں اسلامی تعلیمات کا بیج بو سکیں گے اور بالخصوص مسلم نوجوان الحاد وتشکیک اور مغربیت پسندی کے چنگل سے بچ جائیں گے کیونکہ معاملہ صرف مسلم جوانوں کی اسلامی تربیت پر موقوف ہے، جن پر مستقبل کی ذمہ داری آنے والی ہے اور جو اسلام کے دفاع کا مادی اور روحانی ساز وسامان ہیں۔ کچھ ہی عرصے میں مسلمانوں کی مستقل اور پر رعب شخصیت ہو جائے گی۔ انھیں اپنے وطن میں ہر قسم کی آزادی اور تحفظ حاصل ہوگا۔ یہی ہر قسم کی کامیابی کا واحد راستہ ہے۔

مذکورہ بالا گفتگو سے یہ بات واضح ہوگئی کہ عصر حاضر میں محمد ﷺ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آپ کے نقش قدم پر چلنے کی ضرورت ہے۔ اگر مسلمان آپ کے نقش قدم پر چلتے رہتے، دین حنیف کو مضبوطی سے پکڑے رہتے اور خلفائے راشدین کی اتباع کرتے تو آج انحطاط وپسماندگی کے اس مقام تک نہ پہنچتے بلکہ وہ ہمیشہ سربلند رہتے اور دنیا کی زمام قیادت ان کے ہاتھ میں ہوتی۔ یہ قیادت انھیں

موجودہ دور میں مغربی تمدن کے باوجود حاصل ہو کر رہتی اگرچہ یہ اسلامی قیادت اس طبقے کو گوارہ نہیں ہوتی جو مغربی تمدن پر فریفتہ ہے اور جو اپنے مال ومتاع کو حرام چیزوں میں ضائع کرتا ہے اور اسلام سے اپنی بیزاری کا اس لئے اظہار کرتا ہے کہ اس نے خبائث کو حرام کیا اور پاکیزہ کو حلال کیا کیونکہ وہ خبائث کے خوگر ہیں اور ان کے بغیر ان کا جینا مشکل ہے۔

کچھ لوگوں کے منجمد ذہنوں میں یہ بات آتی ہے کہ اسلام عبادات اور چند شعائر کا نام ہے۔ تہذیب وتمدن، معاشرت، عمرانیات اور سیاست سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ وہ اپنے ماننے والوں کو صنعت وزراعت اور فنون لطیفہ سے روکتا ہے۔ اس لئے یہاں اسلام کی ماضی کی شوکت وعظمت کی وضاحت ضروری ہے۔ چنانچہ تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے ایک عالمی نظام، اعلیٰ اخلاق واقدار پر مبنی صالح تمدن، عدل وانصاف اور تمام انسانی طبقوں کے حقوق میں مساوات پر مبنی عمرانیات اور شاندار تہذیب کا نام ہے۔ یہی اسلامی تہذیب آج تک مغربی فلاسفہ اور دانشوروں کی حیرت اور استحسان کا مرکز بنی ہوئی ہے۔ اسلام نے ملت اسلامیہ کے لئے پاکیزہ چیزوں کو حلال کیا اور زینت کے استعمال کا حکم دیا نیز تاریخ مسلمانوں کے عمرانی کارناموں کے متعلق بتاتی ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے نہر سوئز کو جاری کیا اور قاہرہ سے بحر احمر تک اسی میں کشتیاں چلوائیں۔ ابو جعفر منصور نے شہر بغداد تعمیر کرایا اور اس کے ایوان پر سونے کا ایک عظیم گنبد بنوایا جس کی اونچائی اسی فٹ (۸۰) تھی۔ عبدالرحمن ثالث اموی نے اسپین کے شہر قرطبہ میں مدینۃ الزہراء تعمیر کرایا جس میں ایک محل، ایک مسجد بنوائی اور ایک باغ لگوایا۔ اس کی تعمیر میں لاکھوں دینار خرچ ہوئے اس کے علاوہ بے شمار عمرانیات اور فنون لطیفہ کے اقسام جن سے مغربی انصاف پسند دانشور حیرت زدہ ہیں۔ چنانچہ مسلمان ہی علوم وفنون میں یورپ کے اساتذہ ہیں، اس کی شہادت مغربی تمدن کی آغوش میں نشوونما پانے والے غیر مسلم مفکرین بھی دیتے ہیں۔ ان میں سے بہت سے انصاف پسندوں نے اپنے ہم جنس اور ہم مذہب مسیحی مبلغین کی محمد ﷺ، قرآن کریم، شریعت اسلامیہ، خلفائے راشدین، مسلم علماء اور سربراہ نیز اسلامی تہذیب کے خلاف افترا پردازی کی تردید کی۔ اس تردید اور حقیقت بیانی کا محرک انصاف اور اپنی قوم کو اسلام کے محاسن سے روشناس کرانا ہے تاکہ وہ اپنے مقاصد اور ترقی وعمرانیات میں اس سے استفادہ کرے کیونکہ وہ ایک سچا مذہب ہے جس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی۔

☆☆☆☆☆

راہِ دعوت میں داعی کا زادِ سفر

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان

داعی اپنے وظیفہ اور فریضہ کی ادائیگی صحیح اور دقیق سمجھ بوجھ، پختہ ایمان ویقین اور اللہ تعالیٰ سے مضبوط اور گہرے تعلق کے بغیر نہیں کرسکتا۔ یہ تینوں چیزیں ایک داعی کے لئے توشہ سفر اور زاد راہ کی حیثیت رکھتی ہیں جس کے بغیر راہ دعوت میں داعی قدم نہیں رکھ سکتا۔

فہم دقیق: کسی بھی عمل سے پہلے اس عمل کا تفصیلی علم اگر انسان کے پاس نہ ہو تو وہ اس عمل کو کما حقہ انجام نہیں دے سکتا۔ داعی تو اس بات کا اور شدید محتاج ہے کہ وہ اپنی دعوت کے مقتضیات سے اچھی طرح واقف ہو تا کہ خدا کے راستہ کی جانب وہ علم وبصیرت کے ساتھ بلائے۔ داعی کو چاہئے کہ وہ شریعت الٰہیہ سے اچھی طرح واقف ہو، حلال وحرام کی تفصیلات سے باخبر ہو، خصوصاً آخرت کے متعلق اس کی معلومات انتہائی گہری اور دقیق ہوں۔ خدا کی پکڑ کا شدید احساس اور دوسری جانب اس کی رحمت وفضل کی امید لگائے ہوئے ہو۔ اپنے انجام کے مجہول ہونے کی بناء پر ہمیشہ خوف ورجا کی حالت میں رہے۔ یہی وہ حقیقی علم ہے جو انسان کے اندر عبادت وجہاد اور دعوت وارشاد کے لئے شدید جذبہ پیدا کرے گا۔

یہ دقیق فہم اور سمجھ بوجھ قرآن مجید پر مسلسل غور وفکر کرنے سے حاصل ہوگی۔ قرآن مجید کی تدبر اور گہرائی کے ساتھ تلاوت ایک داعی کو اس کے رب کا عرفان بھی عطا کرے گی (جس کی جانب وہ لوگوں کو بلا رہا ہے) اور اس کی جانب جانے والے راستہ کی رہنمائی بھی کرے گی۔ اور استجابت کی صورت میں جس عزت وتکریم سے وہ نوازا جائے گا اس کا بھی علم ہوگا۔ اور اس کے بالمقابل شیطان اور اس کے اعوان کی دعوت اور اس کے راستے اور اس کی پیروی کرنے والے کے لئے جو ذلت ورسوائی مقدر ہے اس کا بھی علم ہوگا۔ تلاوت قرآن سے حق وباطل کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت اور وہ روشنی عطا ہوتی ہے جس کے ذریعہ داعی ہدایت وضلالت اور رشد وگمراہی کے درمیان فرق کرتا ہے۔ نیز

اس سے دل کو قوت وطاقت اور زندگی اور وسعت اور خوشی ومسرت ملتی ہے۔ آخرت سے لگاؤ اور دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے جس سے اس کا معاملہ عام لوگوں سے بالکل علاحدہ اور نرالا ہو جاتا ہے۔

فہم دقیق کے دو بنیادی ارکان ہیں:

[۱] مقصد حیات سے واقفیت۔ [۲] دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے شدید لگاؤ۔

قرآن مجید نے مقصد حیات پر یوں روشنی ڈالی ہے: "و ما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون" (سورۃ الذاریات: ۵۶) "میں نے جن وانس کو صرف عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔"

مومن کا مقصد وجود خدائے واحد کی بندگی ہے۔ اور بندگی کا ایک جز اس کی راہ میں جہاد کرنا اس کی راہ میں بلانا اور زمین کو خیر وبھلائی سے بھر دینا اور حیران وپریشان لوگوں کی حق کی جانب رہنمائی کرنا ہے اور ان اعمال کے مد نظر خدائے ذوالجلال کی مرضی وخوشنودی کا حصول ہے۔

ارشاد باری ہے: "یا ایھا الذین آمنوا ارکعوا و اسجدوا و اعبدوا ربکم و افعلوا الخیر لعلکم تفلحون. و جاھدوا فی اللّٰہ حق جھادہ ھو اجتباکم و ما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سماکم المسلمین من قبل و فی ھذا لیکون الرسول شھیدا علیکم و تکونوا شھداء علی الناس فاقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکاۃ و اعتصموا باللّٰہ ھو مولاکم فنعم المولیٰ و نعم النصیر" (سورۃ الحج: ۷۷-۷۸)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو رکوع اور سجدہ کرو اور نیک کام کرو اسی سے توقع کی جاسکتی ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔ اس نے تمہیں اپنے کام کے لئے چن لیا ہے اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔ قائم ہو جاؤ اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام "مسلم" رکھا تھا اور اس قرآن میں بھی تمہارا یہی نام ہے تا کہ رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ۔ پس نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ سے وابستہ ہو جاؤ وہ ہے تمہارا مولیٰ، بہت ہی اچھا ہے وہ مولیٰ اور بہت ہی اچھا ہے وہ مددگار۔"

یہی دنیوی زندگی میں مسلم کی ذمہ داری اور اس کا مقصد ہے۔ خدائے واحد کی بندگی اور اس

کی راہ میں سخت جدوجہد اور محنت۔ وہ اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے تا کہ اسے طاعت پر آمادہ کرے اور معصیت سے دور کرے، اپنے قلم، زبان، مال اور ہاتھ سے جہاد کرتا ہے تا کہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اسلام کے نور سے انسانیت روشنی حاصل کرے۔

۲۔ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے لگاؤ: دل کا سب سے بڑا روگ اس کا دنیا اور اسباب دنیا کی جانب میلان ولگاؤ ہے۔ اس سے نجات کا طریقہ یہ ہے کہ انسان یہ یقین پیدا کرنے کی کوشش کرے کہ متاع دنیا چند روزہ اور عارضی ہے اور ثواب آخرت ہمیشہ باقی رہنے والی چیز ہے۔ اور یہ احساس اتنا زیادہ پیدا کرلے کہ یہ کیفیت پیدا ہو جائے کہ پتہ نہیں صبح تک زندہ رہوں گا یا نہیں۔ اور جب شیطان جوانی اور قوت وصحت کا وسوسہ لائے تو ان نوجوانوں کو یاد کرے جو بروقت قبروں کے نیچے مدفون ہیں۔ اور پھر بھی وسوسہ نہ جائے تو قبرستان جا کر غور کرے کہ محلہ کے کتنے افراد جوانی ہی میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔ چنانچہ اس سے زندگی کے تعلق سے امیدیں کم ہو جائیں گی اور آخرت کی تیاری کا شدید داعیہ اور جذبہ پیدا ہوگا۔ اور پھر انسان دنیا میں رہتے ہوئے بھی اپنے کو پردیسی سمجھے گا۔ اسی کیفیت کو اللہ کے رسول ﷺ نے یوں تعبیر فرمایا ہے:

"اذا اصبحت فلا تحدث نفسک بالمساء و اذا امسیت فلا تحدث نفسک بالصباح"

"جب تم صبح کرو تو شام تک زندہ رہنے کا تصور نہ لاؤ اور جب شام کرو تو صبح تک زندہ رہنے کی بات نہ سوچو۔"

ایک دوسری حدیث میں فرمایا: "کن فی الدنیا کانک غریب"

"دنیا میں اس طرح زندگی گزارو گویا تم پردیسی ہو۔"

داعی کے اندر جب غربت کا شدید احساس پیدا ہو جائے گا تو اس کا دل دنیا اور اسباب دنیا سے خالی ہو جائے گا اور رضائے رب کے حصول میں لگ جائے گا۔ اور خوشنودی رب کا سب سے اعلیٰ ذریعہ اس کی جانب بلانا اور اس کے حیران وپریشان بندوں کی رہنمائی کرنا ہے۔ اور پھر وہ اس فریضہ کی ادائیگی میں مسلسل لگا رہے گا، نہ تو تھکاوٹ اور درد والم کا احساس ہوگا اور نہ قربانی اور مشکلات اس کا راستہ روک پائیں گی بلکہ وہ تھکاوٹ میں راحت، درد میں لذت، مال خرچ کرنے میں منافع اور قربانی میں

قابلِ ضمانت عوض کا تصور پائے گا۔ کیونکہ وہ ان تمام چیزوں کو زادِ راہ سمجھے گا جس کا فائدہ اور منفعت اسے آخرت کے طویل اور بعید سفر میں درکار ہے۔ یہ کوئی خیالی یا مبالغہ آرائی نہیں ہے چنانچہ دنیا میں اپنے اہل وعیال سے غریب و پردیسی شخص کی غربت اور پردیسی جب طویل ہو جاتی ہے اور ان کے دیدار کا شوق بھڑک اٹھتا ہے تو وہ اپنے اہل وعیال کے پاس واپسی کے سفر کے لئے جب اسباب سفر مہیا وفراہم کرتا ہے تو اس راہ میں آنے والی جسمانی تھکاوٹ اور مال کے خرچ میں وہ لذت اور خوشی محسوس کرتا ہے۔

[۲] گہرا ایمان: گہرے ایمان سے مراد یہ ہے کہ داعی کو اس بات پر کامل اور مکمل یقین ہو کہ اسلام ہی واحد خالص دین حق ہے۔اس کے علاوہ تمام ادیان و مذاہب باطل اور گمراہی ہیں۔

''قل انّ ھدی اللّٰہ ھو الھدیٰ'' (سورۃ البقرۃ: ۱۲۰)

''کہہ دیجئے یقیناً اللہ کی ہدایت اصل ہدایت ہے۔''

''فماذا بعد الحق الاّ الضلال فانّی تصرفون'' (سورۃ یونس: ۳۲)

''پھر حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا باقی رہ گیا۔ آخر یہ تم کدھر پھرائے جا رہے ہو۔''

اسلام کی حقانیت پر یہ کامل اعتماد، مکذبین کی تکذیب اور مرتدین کے ارتداد سے شک کے دائرے میں نہ آئے۔ داعی یہ تصور رکھے کہ اگر یہ مکذبین حق کی روشنی نہیں دیکھ پا رہے ہیں تو اس میں حق کا قصور وابہام نہیں ہے بلکہ ان کی آنکھوں کی بصیرت ختم ہو گئی اور دل مردہ ہو گئے ہیں۔ اور ذرہ برابر بھی داعی کے دل میں شک کا گزر نہ ہو اور نہ ان کے باطل کی جانب میلان کا شائبہ پیدا ہو ایسے ہی جیسے کوئی بینا شخص اندھوں کے درمیان اپنی بصارت وروشنی کے تعلق سے ذرہ برابر بھی شک وارتیاب کا شکار نہیں ہوتا۔

ارشاد ربانی ہے:

''قل انی علیٰ بینۃ من ربی و کذبتم بہ ما عندی ماتستعجلون بہ ان الحکم الاّ للّٰہ یقص الحق و ھو خیر الفاصلین'' (سورۃ الانعام: ۵۷)

''کہو، میں اپنے رب کی طرف سے ایک دلیل روشن پر قائم ہوں اور تم نے اسے جھٹلا دیا ہے اب میرے اختیار میں وہ چیز ہے نہیں جس کے لئے تم لوگ جلدی مچا رہے ہو فیصلہ کا سارا اختیار اللہ کو ہے وہی امر حق بیان کرتا ہے۔''

ایمان عمیق کی حاجت:

عصر حاضر میں یہ عمیق ایمان ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اور داعی اس کا اور شدید محتاج ہے۔ آزمائشوں اور فتنوں کے اس دور میں جب کہ اسلام کا بول کمزور اور کفر کا بول غالب ہے۔ اور کفر کی بڑی بڑی عالمی حکومتیں کفر کی اعانت پر کمربستہ اور اسلام کی حقانیت وصداقت کے تئیں شکوک وشبہات پھیلا رہی ہیں۔ اور پھر اس فتنہ کی شدت میں مزید اضافہ ان منافقین اور علماء سوء سے ہو گیا جنھوں نے دین کو دنیا سے بیچ دیا ہے اور اسلام کے نام سے زیغ وضلال کی اشاعت کر رہے ہیں۔ آزمائشوں سے پر یہ دور داعی کو وحشت میں نہ ڈالے۔ داعی کو چاہئے کہ وہ کافروں اور ان کے اعمال کو تعجب کی نگاہ سے دیکھنے کے بجائے یہ یقین رکھے کہ یہ گمراہی پر قائم ہیں اور تہذیب وتادیب کے مستحق ہیں۔ تعظیم وتکریم کے نہیں۔ داعی کو چاہئے کہ موجودہ صورت حال میں بخاری کی اس روایت کو پیش نظر رکھے۔ ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن دجال کا تذکرہ کیا اور فرمایا کہ دجال مدینہ آئے گا درآنحالیکہ اس پر مدینہ میں دخول حرام ہوگا۔ چنانچہ وہ مدینہ کے قریب کسی بے آب وگیاہ سرزمین میں ٹھہرے گا مدینہ سے ایک شخص نکل کر اس کے پاس آئے گا درآنحالیکہ وہ سب سے بہتر انسان ہوگا تو وہ کہے گا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ہی وہ دجال ہو جس کی بابت آپؐ نے ہمیں خبردار کیا تھا تو دجال کہے گا غور کرو اگر میں اس کو قتل کر کے پھر زندہ کر دوں تو کیا تم لوگ میری الوہیت پر شک کرو گے۔ تو اس کے ساتھی کہیں گے نہیں۔ چنانچہ وہ انھیں قتل کر کے زندہ کر دے گا تو وہ بزرگ کہیں گے خدا کی قسم اب مجھے اور یقین ہو گیا کہ تمہیں دجال ہو۔ اس پر وہ دجال آپ کو قتل کرنا چاہے گا تو اس کو قدرت نہ ملے گی۔

دجال کا فتنہ بڑا ہی سخت ہوگا۔ وہ خدا ہونے کا دعویدار ہوگا اور دلیل کے طور پر آسمان سے کہے گا بارش نازل کر، تو بارش ہونے لگے گی۔ زمین کو کہے گا کہ پودے اگا تو زمین پودے اگا دے گی۔ یہ خوارق عادت امور دیکھ کر ایمان سے خالی دل والے اس کی پیروی اختیار کر لیں گے۔ لیکن وہ بزرگ اپنی ایمانی بصیرت سے اس کے بطلان اور دجل وکذب کو پہچان لیں گے۔

ایمان عمیق کے ثمرات ولوازمات:

ایمان عمیق کے لوازمات وفوائد کا ذکر متعدد آیات واحادیث میں وارد ہے لہٰذا داعی کو چاہئے

کہ وہ اہل ایمان کی صفت پر مشتمل آیات کا بغور مطالعہ کرے اور ہر ہر صفت کو اپنے اندر تلاش کرے۔ صفت کے کمزور ہونے کی صورت میں اس کے تدارک کی کوشش و جدو جہد کرے۔

(۱) محبت یعنی بندہ کا اپنے رب سے محبت کرنا۔ یہ ایمان عمیق کا لازمہ بلکہ ایمان کی روح و اساس ہے۔ کیونکہ ایمان معرفت رب کا نام ہے اور جو اپنے رب کو پہچان لے گا وہ اس سے محبت کرے گا اور یہ معرفت جتنی طاقتور ہوگی ایمان اتنا ہی عمیق ہوگا اور بندہ کے اپنے رب سے محبت میں اتنا ہی اضافہ ہوگا۔ معرفت کی قوت، صفت باری، اس کی عظمت اور نعمتوں پر غور و فکر سے حاصل ہوگی اور پھر رب سے محبت ان چیزوں کو بھی وسیع ہو جائے گی جو خدا کو محبوب ہیں۔ اسی لئے مسلمان نبی اکرم ﷺ سے محبت کرتا ہے کیونکہ وہ خدا کے محبوب اور اسلام کے مبلغ تھے۔ اسی طرح بندہ قرآن مجید اور اسلامی تعلیمات سے بھی محبت کرتا ہے کیونکہ وہ خدا کا پیغام ہے۔ مومنین سے بھی محبت کرتا ہے کیونکہ وہ اللہ کے مطیع و فرمانبردار بندے ہیں جو اپنے آقا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔

اور پھر محبت رب کے نتیجے میں مومن کے اندر درج ذیل صفات پیدا ہو جاتی ہیں جن پر قرآن مجید نے یوں روشنی ڈالی ہے۔

''یا ایھا الذین آمنوا من یرتد منکم عن دینہ یاتی اللہ بقوم یحبھم و یحبونہ أذلۃ علی المومنین، أعزۃ علیٰ الکافرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لامۃ لائم'' (سورۃ المائدۃ: ۵۴)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھرتا ہے تو پھر جائے۔ اللہ اور بہت سے ایسے لوگ پیدا کر دے گا جو اللہ کو محبوب ہوں گے اور اللہ ان کو محبوب ہوگا۔ جو مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے۔ جو اللہ کی راہ میں جدو جہد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔''

ایک دوسری آیت میں ہے:

''قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ'' (آل عمران: ۳۱)

''کہہ دو کہ اگر تم حقیقۃً اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا۔''

داعی کے اپنے رب سے محبت کے لوازمی ثمرات درج ذیل ہیں:

[۱] ہر حال میں خدا کا والہانہ ذکر: داعی ہمیشہ خدا کے ذکر سے رطب اللسان رہتا ہے۔ کیونکہ انسان جس چیز سے محبت کرتا ہے اس کا اور اس سے متعلق امور کا کثرت سے ذکر کرتا ہے۔

[۲] خلوت و تنہائی کے لمحات میں اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتا ہے۔ نہ تو اس سے وحشت محسوس کرتا ہے اور نہ ہی تنگی بلکہ خلوت کے لمحات کو مناجات کے لئے بہترین فرصت اور موقع سمجھتا ہے۔

[۳] خدا کی طاعت میں لذت محسوس کرتا ہے۔ کیونکہ عاشق اپنے محبوب کی خدمت سے لذت محسوس کرتا ہے اور اس کے لئے پھرتی و نشاط کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اسی لئے نماز نبی اکرم ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور نفس کے لئے راحت تھی۔ امام جنیدؒ فرماتے ہیں: محبت کی علامت اطاعت الٰہی پر دوام اختیار کرنا ہے۔

[۴] اللہ کے ذکر کے علاوہ کسی بھی چیز کے فوت ہونے پر اسے افسوس نہیں ہوتا البتہ ان لمحات پر اسے شدید افسوس و ندامت ہوتی ہے جو یاد الٰہی سے خالی ہوں۔

[۵] اپنے مرغوبات پر خدا کی مرغوبات کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ حقیقی محب ہمیشہ اس چیز کو ترجیح دیتا ہے جو اس کے محبوب کو پسند ہوتی ہے۔ اور اس ایثار میں مشقتوں اور کلفتوں کی پرواہ نہیں کرتا ہے۔

[۶] اللہ سے ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ کیونکہ محب اپنے حبیب کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ لہٰذا وہ موت کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا کیونکہ موت ہی خدا تک پہنچنے کی کنجی ہے۔

[۷] اللہ کے لئے شدید غیرت رکھتا ہے۔ محارم کے ارتکاب پر شدید غضبناک ہو جاتا ہے۔

(۲) خوف خدا:

ایمان عمیق کا دوسرا ثمرہ خوف خداوندی کا ظہور ہے۔ کیونکہ خوف خدا حکمت کا سرچشمہ ہے اور جو اللہ کو پہچان لے گا وہ اس سے ڈرے گا اور جو اس سے ڈرے گا وہ کسی اور سے نہیں ڈر سکتا بلکہ لوگ اس سے ڈریں گے۔ خوف اصلاً مستقبل میں تکلیف دہ چیز کے ظہور کے اندیشہ سے دل کے درد و تپش محسوس کرنے کا نام ہے۔ اور یہ خوف قرآن مجید کی آیات وعید پر تدبر کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوگا۔ جس شخص

کے دل میں یہ یقین پیوست ہو جائے کہ اس سے ذرہ ذرہ کا حساب ہوگا تو اس کے دل میں انجام کے تعلق سے شدید ڈر اور خوف پیدا ہوگا اور پھر وہ منہیات کے ارتکاب سے بچے گا اور ان چیزوں کی جانب متوجہ ہوگا جو اسے آخرت کے عذاب سے بچائیں گی اور ان میں سب سے سرفہرست چیز خدا کا تقویٰ اختیار کرنا ہے اور تقویٰ میں جہاد فی سبیل اللہ سرفہرست ہے اور دعوت جہاد کا ایک جزء ہے۔

(۳) امید:

ایمان عمیق کا تیسرا لازمی ثمرہ خدا کی رحمت و فضل کی امید ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے مومن بندوں سے بہتر انجام کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور اس معاملہ میں مایوسی سے منع فرمایا ہے۔ لہذا مومن کو اللہ کے وعدہ پر کامل یقین اور امید ہوتی ہے۔ اور یہ امید اطاعت خداوندی پر اسے آمادہ کرے گی اور دعوت اس کا ایک جزء ہے۔

(۴) اتصال وثیق:

اتصال وثیق کا مطلب داعی کا اپنے رب سے گہرا تعلق اور جملہ امور میں اس پر اعتماد ہوتا ہے کیونکہ اسے اس بات پر کامل یقین ہوتا ہے کہ خدا ہی خلق و تدبیر کرنے والا، نفع ونقصان پہنچانے پر تنہا قادر، اشیاء کو دینے یا روکنے والا ہے۔ اور جو شخص اللہ پر اعتماد کرتا ہے اور اس کے حوالے اپنے معاملات کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہے۔ "ومن یتوکل علیٰ اللّٰہ فہو حسبہ" (جو اللہ پر اعتماد کرے تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔) اور خصوصاً جو امور دعوت اور اس کی نصرت و تائید اور اس کے دشمنوں سے جہاد کرنے اور اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے معاملہ میں اس پر اعتماد کرتا ہے تو اللہ اس کی مدد فرماتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قالا ربّنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی قال لا تخافا اننی معکما اسمع و اریٰ"

یہ معیت وتائید صرف انبیاء ورسولوں کے لئے خاص نہیں ہے بلکہ اس کے جملہ نیک بندوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ "انّ اللّٰہ مع الذین اتقوا و الذین ھم محسنون"

اللہ پر اعتماد و توکل داعی کا اسی طرح ہونا چاہئے جس طرح شیر خوار بچہ کا اپنی ماں سے تعلق ہوتا

ہے۔ جو اسی پر اعتماد کرتا ہے اور مصیبت و پریشانی میں اسی کو پکارتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح داعی جملہ احوال و ظروف میں صرف اسی پر اعتماد کرے۔ اللہ پر اعتماد کا مطلب اسباب کو چھوڑنا نہیں ہے صرف اسباب پر اعتماد کرنا غلط ہے۔

خدا سے تعلق میں مضبوطی کا دارومدار اس بات پر کامل یقین رکھنے میں ہے کہ جملہ امور و معاملات صرف اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ اگر ان معانی پر کامل یقین ہو تو انسان کسی اور مخلوق پر اعتماد کے بجائے صرف ایک واحد قہار اللہ پر اعتماد کرے گا۔

"بل اللّٰہ مولاکم و ھو خیر الناصرین"

غور کیجئے جب داعی دعوت وارشاد کے ذریعہ دین الٰہی کی مدد کر رہا ہو تو آخر اللہ اس کی مدد کیوں نہیں کرے گا۔ لہذا داعی کو چاہئے کہ دعوت دیتے وقت خدا کی نصرت پر کامل یقین رکھے۔ طائف سے واپسی کے موقع پر جب اہل طائف نے انتہائی برا سلوک کیا تھا آپؐ نے فرمایا "اے زید اللہ تعالیٰ ان تکلیف دہ احوال سے نکالنے کی سبیل اور راہ ضرور پیدا کرے گا۔ کیونکہ اللہ اپنے دین کی مدد کرے گا اور اپنے نبی کو غالب۔" (امتاع الاسماع: ۴۸)

لہذا داعی کسی بھی حالت میں مایوس نہ ہو۔ "ولا تیاسوا من روح اللّٰہ انہ لا ییاس من روح اللّٰہ الا القوم الکافرون"

اللہ تعالیٰ سے یہ اتصال و تعلق داعی کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ یہ تعلق مصیبتوں کو آسان اور آلام کو ہلکا کرے گی اور دل سے لوگوں کے ڈر کو نکال دے گی۔ "الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایماناً و قالوا حسبنا اللّٰہ و نعم الوکیل" اور مومن کو اس تعلق سے عزت وقوت کا احساس پیدا ہوگا کیونکہ "و للّٰہ العزۃ و لرسولہ و للمومنین" لہذا اس کی نگاہ میں کسی باطل اور باطل پرست کی کوئی عظمت و وقعت باقی نہ رہے گی۔ کیونکہ اہل باطل اور باطل خدا کے مقابلے میں حقیر و خسیس ہیں لہذا مومنوں کی نگاہ میں ان کی کوئی عظمت نہیں ہونی چاہئے۔

☆☆☆☆☆

میدان دعوت

عالمی مذاہب کے تناظر میں

ابوارقم فلاحی

یہودیت:

یہودیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ وہ اللہ کی حقیقی اور محبوب قوم ہے جسے جملہ اقوام عالم پر فضیلت بخشی گئی ہے اور "یہوہ" یہودیوں کا وہ واحد خدا ہے جو دوسری اقوام کے معبودوں پر غلبہ اور فوقیت رکھتا ہے۔ اسی عقیدہ کے پیش نظر ان کے یہاں غیر اسرائیلی اور غیر یہودی کو دعوت دینا ممنوع ہے۔ کسی بھی غیر یہودی کے لئے یہودیت اختیار کرنا جائز نہیں۔ استثنیٰ میں ہے:

"کوئی عمونی یا موآبی خداوند کی جماعت میں داخل نہ ہو۔ دسویں پشت تک ان کی نسل میں سے کوئی خداوند کی جماعت میں کبھی آنے نہ پائے۔" (باب ۳/۲۳)

یہ نص صراحۃً دلالت کررہی ہے کہ ان کا دین عالمی اور تبشیری یا آفاقی اور انسانی نہیں ہے بلکہ نہ صرف یہ دین ان کے لئے خاص ہے بلکہ ان کا معبود بھی دوسروں کے معبود سے الگ صرف ان کے لئے مخصوص ہے۔ گویا یہ ایک نسلی مذہب ہے جس کا مقصود یہودی فکر کی یکجائی برقرار رکھنا ہے تاکہ ان کا اقتدار مضبوط اور قائم رہے۔

یہودیت نہ صرف اپنے اندر دخول کے راستہ کو ممنوع قرار دیتی ہے بلکہ اس کی نگاہ میں یہودی اور غیر یہودی میں اتنا ہی فرق ہے جتنا انسان اور حیوان میں۔ غیر یہودی عورتیں ان کے یہاں بمنزلہ بہائم ہیں لہٰذا ان کے ساتھ زنا کرنا جائز ہے۔ جملہ انسانوں کو وہ کافر اور چوپائے سمجھتے ہیں۔ لہٰذا یہودی انسانیت ان کی دعوت وہدایت کے لائق نہیں اور نہ ہی کوئی غیر اسرائیلی شخص خدا کے دین میں دخول کا مستحق ہے۔

عیسائیت:

عیسیٰ علیہ السلام کی دعوت اصلاً بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے تھی۔ انجیل متی میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "میں صرف بنی اسرائیل کی گمراہ بھیڑوں کی اصلاح کے لئے آیا ہوں۔"

قرآن مجید سے بھی اس کی تصدیق وتائید ہوتی ہے۔ سورۃ الصف میں ہے:

"و اذ قال عیسی ابن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم جمیعا" (۹)

"اور یاد کرو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ: اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں۔"

عیسائیت کو عالمی اور آفاقی مذہب بنانے میں پولس رسول نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ دین مسیحیت میں پولس نے جو اہم تحریفات کی ہیں وہ چار ہیں:

[۱] مسیح اللہ کے بیٹے ہیں [۲] عقیدہ صلب وفداء کا اثبات

[۳] کفارہ مسیح [۴] مسیحیت کو عالمی مذہب بنانا

مسیح علیہ السلام جن کی بعثت صرف بنی اسرائیل کے لئے تھی اور مسیحیت کا دائرہ کار صرف بنی اسرائیل کی حد تک محدود تھا اس دین کو پولس نے چالاکی سے ایک عالمی اور تبشیری مذہب بنا ڈالا۔

عیسائیت کے بنیادی عقائد غیر معقول اور ناقابل فہم ہیں لہٰذا تبشیری اور تنصیری کوششیں مشرق اور اسلامی ممالک میں برگ وبار نہ لاسکیں۔ چنانچہ اس صورت حال کو دیکھ کر انھوں نے مسیحیت میں داخل کرنے کے بجائے لوگوں کے دلوں میں دین ومذہب کے تعلق سے شکوک وشبہات پیدا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ صموئیل زویمر نے القدس کانفرنس ۱۹۳۵ء میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

"اے بہادر بھائیو اور اے ساتھیو جن کے مقدر میں مسیحیت کی راہ میں مشقت لکھ دی گئی ہے۔ تبشیر کی وہ ذمہ داری جو عیسائی مملکتوں نے محمدی علاقوں میں ادا کرنے کی تم پر عائد کی ہے اس کا مقصود مسلمانوں کو عیسائی بنانا نہیں ہے کیونکہ اس میں ان کی تکریم وتعظیم ہوگی۔ تمہاری ذمہ داری صرف اسلام کے دائرہ سے انھیں نکالنا ہے تاکہ اس کا اللہ اور نتیجتاً اس اخلاق سے رشتہ کٹ جائے جس پر قوموں کی زندگی کا قوام ہے۔ اس لئے تم لوگ اپنے اس

عمل کے ذریعہ اسلامی ممالک میں استعمار کے ہراول دستہ کا کام کروگے اور یہ کام تم لوگ گزشتہ سوسال سے انجام دے رہے ہو جس پر میں تم لوگوں کو مبارکباد دے رہا ہوں۔"

اسلام:

اسلام میں دعوت کا میدان پوری دنیا اور اس کا پیغام پوری انسانیت کے لئے عام ہے۔ ارشاد باری ہے: "وما أرسلناک الا کافة للناس بشیراً و نذیراً ولکن أکثر الناس لا یعلمون" (سورۃ سبا:۲۸)

"اور اے نبی ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔"

☆ دوسری دلیل:

"قل یا أیها الناس انی رسول الله الیکم جمیعاً" (الاعراف:۱۵۸)

"اے نبی کہو کہ اے انسانو میں تم سب کی طرف خدا کا پیغمبر ہوں۔"

☆ تیسری دلیل:

"تبارک الذی نزّل الفرقان علیٰ عبده لیکون للعالمین نذیراً" (الانفال: ۱)

"نہایت متبرک ہے وہ جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا ہے تاکہ سارے جہاں والوں کے لئے خبردار کرنے والا ہو۔ (یعنی قرآن کی دعوت اور محمد ﷺ کی رسالت کسی ایک ملک کے لئے نہیں پوری دنیا کے لئے ہے اور اپنے ہی زمانے کے لئے نہیں آنے والے تمام زمانوں کے لئے ہے۔"

☆ چوتھی دلیل:

"و أوحی الی هذا القرآن لأنذرکم به و من بلغ" (الانعام:۱۹)

"اور یہ قرآن میری طرف بذریعہ وحی بھیجا گیا ہے تاکہ تمہیں اور جس جس کو یہ پہنچے سب کو متنبہ کردوں۔"

☆ پانچویں دلیل:

"وما أرسلناک الا رحمة للعالمین" (الانبیاء:۱۰۷)

"اے نبی ہم نے تم کو دنیا والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

☆ چھٹی دلیل:

"بعثت الی الأحمر و الأسود" (مسند احمد)

"میں کالے اور گورے سب کی طرف بھیجا گیا ہوں۔"

☆ ساتویں دلیل:

"و کان النبی یبعث الیٰ قومه خاصة و بعثت الیٰ الناس عامة" متفق علیه

"پہلے ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اور میں تمام انسانوں کے لئے مبعوث ہوا ہوں۔

ان کے علاوہ بھی متعدد احادیث ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت عام اور رہتی دنیا تک کے لئے ہے۔ اور ہر انسان آپ کا مدعو ہے خواہ گورا ہو یا کالا، مرد ہو یا عورت، عربی ہو یا عجمی لڑکا ہو یا بوڑھا۔ اسی لئے آپ پر ایمان لانے والوں میں عربی بھی تھے جیسے ابوبکرؓ حبشی بھی تھے جیسے بلالؓ، رومی بھی تھے جیسے صہیب الرومی، فارسی بھی جیسے سلمان الفارسی، عورت بھی جیسے خدیجہؓ، بچہ بھی جیسے علی ابن ابی طالبؓ، مالدار بھی جیسے عثمان بن عفانؓ، اور فقیر بھی جیسے عمار بن یاسرؓ۔

دعوت اسلامی کی عمومیت کی ایک واضح دلیل قرآن مجید کا انداز خطاب بھی ہے۔ قرآن عموماً پورے نوع انسان کو لون و نسل سے اٹھ کر ان کی صفت بشریت و آدمیت کے ساتھ خطاب کرتا ہے: "یا أیها الناس اعبدوا ربکم" (اے لوگو اپنے رب کی بندگی کرو) "یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد" (اے آدم کے بیٹو ہر مسجد کے پاس زینت اختیار کرو)

لہذا داعی کو چاہئے کہ وہ دعوت کی اس عمومیت اور عالمیت کو سمجھے اور اسے ہر اس انسان تک پہنچانے کی کوشش کرے جہاں تک وہ پہنچا سکتا ہے۔

☆☆☆☆☆

غیر مسلموں میں دعوت دین کا انداز و اسلوب

ڈاکٹر عبداللہ الزبیر عبدالرحمٰن

اسلام ایک آفاقی اور پوری نوع انسانی کا دین ہے۔ ''ان ھو الا ذکر للعالمین'' (سورۃ التکویر: ۲۷) یہ قرآن تو پوری دنیا والوں کے لئے یاددہانی و نصیحت ہے۔ سورہ سبا میں ہے: ''و ما أرسلناک الا کافۃ للناس بشیراً و نذیراً و لکن أکثر الناس لا یعلمون'' (۱۲۸)

دعوت اسلام کا بنیادی ہدف پوری انسانیت کو تین طرح کے قیود و بند سے آزادی و حریت دلانا ہے: [۱] غیر اللہ کی بندگی [۲] دنیا کی تنگی [۳] باطل اور محرف ادیان کی ظلم و زیادتی۔

ربعی بن عامر نے دعوت اسلامی کے اہداف پر کسریٰ کے دربار میں یوں روشنی ڈالی تھی:

''اللّٰہ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد الی عبادۃ رب العباد و من ضیق الدنیا الی سعتہا و من جور الأدیان الی عدل الاسلام فأرسلنا بدینہ الی خلقہ لندعوھم الیہ'' (البدایۃ والنہایۃ: ابن کثیر: ج:۷ ص:۳۸)

''اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے تا کہ ہم ان لوگوں کو جنھیں وہ چاہے بندوں کی غلامی سے نکال کر بندوں کے رب کی عبادت کی جانب بلائیں اور دنیا کی تنگیوں سے نکال کر اس کی وسعتوں سے ہمکنار کریں۔ اور ادیان و مذاہب کی زیادتیوں سے نکال کر اسلام کے عدل کی جانب لائیں۔ اس نے ہمیں اپنے دین کو دے کر بھیجا ہے تا کہ ہم لوگوں کو اس کی جانب بلائیں۔''

غیر مسلموں میں دعوت کا انداز و اسلوب درج ذیل تین طرح کا ہوگا:

[۱] عملی کردار اور سیرت کا خطاب:

دعوت کا پہلا خطاب سیرت کا خطاب ہے۔ جملہ انبیاء اور رسولوں نے خدا کے پیغام کو عملی روپ میں لا کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے کیونکہ انسان فطری طور پر اسوہ اور نمونہ کو دیکھتا ہے اور اسوہ کی روشنی میں حق کا راستہ تلاش کرتا ہے اور داعی کی سیرت کو عمل و اقتدار کے لئے نمونہ بناتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا غیر مسلموں کے لئے عملی اسوہ:

نبی اکرم ﷺ کی پوری زندگی قرآن سے عبارت تھی۔ آپ کی پوری سیرت قرآن کا عکس اور پرتو تھی۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے نمونہ اور اسوہ بنایا تھا۔ چنانچہ آپؐ نے ہر چیز اور ہر میدان میں نمونہ چھوڑا ہے۔ عدل اور حق کی اقامت کے لئے آپؐ نے وحی کی روشنی میں مسلم پر غیر مسلم کی مدد بھی کی ہے۔ آپؐ کے دعوتی مواقف کی مثالیں کتب سیرت میں جا بجا بکھری پڑی ہیں۔ دو مثالیں ہدیہ قارئین کی جا رہی ہیں جن میں آپؐ نے غیر مسلم کو نمونہ پیش کر کے انسانیت کی قیادت کے لئے اسلام کے استحقاق پر پوری دنیا کو مطمئن کرایا ہے۔

پہلا طرز عمل: اس یہودی کا قصہ جس پر زرہ کی چوری کا الزام لگایا گیا تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک مسلمان نے ایک زرہ چرائی اور جب پکڑے جانے کا اسے اندیشہ ہوا تو اسے ایک یہودی کے گھر میں پھینک دیا۔ زرہ جب یہودی کے گھر سے برآمد ہوئی تو یہودی نے اس کو لینے کا انکار کیا اور چور نے اس یہودی کے خلاف اپنی قوم سے مدد چاہی۔ آپ ﷺ کو یہ گمان ہوا کہ شاید یہودی ہی نے زرہ چرائی ہے کیونکہ متعدد گواہ اس کے خلاف شہادت دے رہے تھے اور زرہ بھی اس کے گھر میں پائی گئی تھی۔ لیکن قرآن مجید اس مسلم کے خلاف یہودی کی مدد و نصرت کرتے ہوئے نازل ہوا:

''انا انزلنا الیک الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما أراک اللّٰہ و لا تکن للخائنین خصیماً'' (النساء: ۱۰۵)

دوسرا طرز عمل: ابو حدرد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی کا میرے اوپر چار درہم قرض تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس معاملہ لے گیا اور کہا کہ اس نے میرے چار درہم دبا رکھے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ اس کا حق اس کے حوالے کر دو۔ میں نے عرض کیا: ابھی ممکن نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا: اس کا حق اس کے حوالے کر دو۔ میں نے پھر عرض کیا کہ ابھی قرض ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔ آپؐ نے پھر فرمایا کہ اس کا حق اس کو دیدو۔ جب آپ نے تیسری بار حکم دیا تو میں یہودی کو ساتھ لیکر بازار گیا۔ میرے سر پر عمامہ بندھا ہوا تھا اور ایک چادر سے بدن ڈھانک رکھا تھا۔ بازار پہنچ کر میں نے عمامہ سر سے اتارا اور اس سے بدن ڈھانک کر چادر اتار لی۔ یہودی نے وہ چادر چار درہم کے عوض خرید لی۔

ایک یہودی کے ساتھ رسول اکرم ﷺ کا یہ طرز عمل دعوت و تبلیغ کا کتنا موثر ذریعہ ہے۔ خاص طور سے اس صورت میں کہ یہودی آپ کا مخالف تھا اور مسلمان آپ کا کلمہ گو، پھر بھی آپؐ نے یہودی کی حمایت کی کیونکہ وہ حق پر تھا۔

حضرت عمرؓ کا اسوہ:

حضرت عمرو بن العاصؓ مصر کے گورنر تھے۔ وہاں ان کے لڑکے نے کسی قبطی کو کوڑا مارا۔ قبطی حضرت عمرؓ کے پاس آیا اور گورنر کے خلاف شکایت کی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ مصر میں عمرو بن العاص نے گھوڑوں کی دوڑ کے مقابلہ کا اہتمام کیا۔ اس میں میرا گھوڑا سب سے آگے نکل گیا۔ جب لوگوں نے اسے دیکھا تو عمرو بن عاص کے لڑکے محمد نے کہا کہ یہ میرا گھوڑا ہے۔ گھوڑا جب قریب آیا تو میں نے پہچان لیا کہ یہ میرا گھوڑا ہے۔ اور کہا کہ یہ تو میرا گھوڑا ہے۔ بس اتنی سی بات تھی کہ محمد بن عمرو بن العاص مجھے کوڑا مارنے لگے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ پھر فوراً عمرو بن عاصؓ کے پاس لکھا کہ یہ خط پہنچتے ہی اپنے لڑکے کو لیکر میرے پاس آجائیں۔ مصری سے فرمایا کہ ان کے آنے تک یہیں ٹھہرو۔ عمرو بن عاص کو خط ملا تو انھوں نے اپنے لڑکے کو بلایا۔ اس سے پوچھا کہ تم نے کوئی جرم تو نہیں کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ تب اس کو لیکر حضرت عمرؓ کے پاس پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے مصری سے کہا کہ یہ دُرّہ لو اور اسے درے لگاؤ۔ اس نے درے سے خوب خوب اس کی مرمت کی۔ پھر حضرت عمرؓ نے اس سے کہا کہ یہ درے میرے سر پر بھی مارو کیونکہ یہ میرے اقتدار ہی کی بدولت تم کو اس نے درے مارے تھے۔ مصری نے کہا: جس نے مجھ کو مارا تھا میں نے اس کو جی بھر کے مار لیا۔ اب زیادتی ہوگی۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے عمرو بن عاصؓ سے فرمایا کہ عمرو لوگ تو آزاد پیدا ہوئے تھے تم نے ان کو غلام کب اور کیسے بنالیا؟ عمرو بن عاصؓ نے معذرت پیش کی اور کہا کہ مجھے معلوم نہیں تھا۔

پوری انسانی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملے گی کہ اپنا بھائی کسی دوسرے پر ظلم کرے تو خود اپنے بھائی سے ظلم کا بدلہ اس طرح دوسرے کو دلایا جائے۔

غیر مسلموں کے ساتھ حضرت علیؓ کا اسوہ:

حضرت علیؓ خلیفہ تھے۔ ایک بار ان کی زرہ گم ہوگئی۔ انھوں نے وہ زرہ ایک عیسائی کے پاس دیکھی۔ اسے لے کر قاضی کے پاس گئے اور کہا کہ یہ زرہ میری ہے۔ نہ میں نے اسے فروخت کیا اور نہ کسی کو ہبہ کیا۔

قاضی شریح نے عیسائی سے کہا: امیر المومنین کے جواب میں تم کیا کہتے ہو؟

اس نے کہا: زرہ میری ہے۔ امیر المومنین جھوٹ بول رہے ہیں۔

قاضی شریح حضرت علیؓ سے جواب طلب کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں: میرے پاس

کوئی گواہ نہیں ہے۔ قاضی شریح فیصلہ سناتے ہیں کہ زرہ عیسائی کی ہے۔ عیسائی زرہ لے کر چلا بنا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد واپس آیا اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ انبیائی طریق فیصلہ ہے کہ امیر المومنین کے خلاف بھی فیصلہ صادر کر دیا جائے۔ وہ فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگیا۔ اور حضرت علیؓ سے لپٹ کر کہا کہ زرہ آپ ہی کی ہے، لے لیجیے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ جب تم مسلمان ہو چکے ہو تو یہ زرہ تمہاری ہے اپنے پاس رکھو۔ پھر اسے گھوڑے پر سوار کر کے رخصت کیا۔

حق و انصاف کی حمایت کا یہ بلند معیار عیسائی کے دل میں گھر کر گیا۔ اسلام سے اس کی دشمنی فوراً محبت و عقیدت میں بدل گئی اور وہ اسلام کا سچا جاں نثار ہوگیا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ مسلمانوں کے اسوہ حسنہ اور ان کے طرز عمل کی طہارت و دیانت نے غیر مسلموں کو اسلام کا گرویدہ بنانے میں بڑا موثر کردار ادا کیا۔ افریقہ و ایشیا کے اکثر ممالک کے لئے مہاجرین کی حق پرستی، ان کی امانت و دیانت، راستبازی و عدل پروری ہی بنیادی طور پر وجہ کشش بنی اور وہ جدال و قتال کے بغیر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے۔

اس کے برعکس آج کی صورت حال کتنی افسوسناک ہے کہ معاشی ذرائع کی تلاش میں مسلمان، کفر و شرک کے خوش حال ممالک کا رخ کرتا ہے اور وہاں بود و باش کا اسے موقع ہاتھ آتا ہے تو اپنے طرز عمل سے اسلام کی ایسی تصویر پیش کرتا ہے جس سے غیر مسلم گھن کھاتے ہیں اور اسلام سے ان کو نفرت ہو جاتی ہے۔ اس لئے ناگزیر ہے کہ اسلام کی دعوت پیش کرنے سے پہلے غیر مسلموں کے سامنے عمل کا مثالی نمونہ پیش کیا جائے تاکہ اس نمونہ کو دیکھ کر ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی اسلام کے خلاف نفرت و کدورت دور ہو اور اسلام کو سمجھنے کی ضرورت محسوس کریں۔

برہانی و استدلالی "مناظرانہ" اسلوب دعوت:

ہر انسان کی فطرت ایک جیسی نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ فطرت کے ایسے صالح ہوتے ہیں کہ محض اچھا نمونہ دیکھ کر ہی اس کو اپنا لیتے ہیں۔ لیکن کچھ لوگ اس وقت تک کسی نتیجہ تک نہیں پہنچتے جب تک دعوت کی صداقت کے عقلی دلائل سے ان کو مطمئن نہ کر دیا جائے۔ ایسے لوگوں کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ بحث و گفتگو کے معقول و دل پذیر انداز سے ان کے دلوں کے بند دروازوں کی کھڑکیاں کھولنے کی کوشش کی جائے۔

دعوت کا آغاز دعوت سے ہی ہوتا ہے۔ لیکن ہر آدمی کے پاس عقل ہوتی ہے۔ ضروری نہیں کہ ہر شخص فوراً دعوت قبول کرلے۔ بہت سے لوگ اشکالات پیش کرتے ہیں، اعتراضات اٹھاتے ہیں اور سوال در سوال اور جواب در جواب ہوتے ہوتے بات مناظرانہ رنگ اختیار کرلیتی ہے۔ ایسی صورت میں ناگزیر ہوتا ہے کہ حکمت و دانائی کے ساتھ شکوک و شبہات اور اعتراضات و اشکالات کا دلائل کے ذریعہ ازالہ کیا جائے تاکہ عقلی طور پر فرار کی کوئی راہ نہ رہ جائے اور وہ اسے ماننے پر مجبور ہو جائے۔ قرآن نے پھر بار بار اس کی تاکید کی ہے:

”ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ و جادلھم بالتی ھی احسن“ (النحل: ۱۲۵)

دعوت کی یہ بحث و گفتگو دراصل باطل افکار و نظریات سے جنگ ہے، اس جنگ میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ لسانی جہاد کی تربیت کا بھی خاطر خواہ اہتمام کیا جائے۔

مجاہدانہ اسلوب دعوت:

اسلام کا عملی نمونہ دیکھ کر ہی اس کو برحق مان لیا جائے اور اسے اپنا لیا جائے یا بحث و گفتگو اور استدلالی طریقے سے مطمئن ہو کر اس کی حقانیت تسلیم کرلی جائے اور اس کی اطاعت قبول کرلی جائے؛ یا اطاعت قبول نہ کی جائے تو کم از کم اس کی راہ میں رکاوٹیں نہ کھڑی کی جائیں تو وہ امن و امان کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ لیکن اس کا عملی نمونہ دیکھنے اور انسانیت کے لئے اس کے فوز و فلاح کا ضامن ہونے کا یقین کرلینے یا اس کے دلائل کے حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی کوئی قوم اس کی راہ مسدود کرے تو اس کو انسانیت کی فلاح کا دشمن سمجھ کر اسلام اس کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم دیتا ہے۔

مکہ میں جب تک رسول اکرم ﷺ کو دعوت کی آزادی حاصل تھی وہ بلا روک ٹوک تمام مشرکین مکہ کو دعوت پیش کرتے رہے۔ حج کے موقع پر آنے والے دور دراز کے قبائل کو آپ دعوت دین پیش کرتے رہے۔ تجارتی قافلوں اور دوسرے آنے جانے والوں کو بھی دعوت پیش کرتے رہے۔ قریش اگرچہ ایمان نہ لائے لیکن وہ آپ کی حمایت و نصرت کرتے رہے یا آپ کو امان دیتے رہے۔ جب تک یہ صورت حال قائم رہی آپ نے ہر تکلیف گوارہ کی لیکن تلوار نہ اٹھائی۔ لیکن جب دولت و ثروت اور اقتدار و حکومت دعوت کی راہ میں حائل ہوئی اور اس نے کوشش کی کہ دعوت کی آواز کو ہمیشہ کے لئے دبا دیا جائے تب حکم ہوا کہ بحث و گفتگو اور دلیل و برہان کے بجائے جہادی اسلوب دعوت اختیار کیا جائے اور بزور شمشیر اس فتنہ کو ختم کر دیا جائے۔

دعوت کا وقت

ادارہ

دعوت کا کوئی وقت متعین نہیں۔ دعوت الی اللہ ہر مسلمان پر واجب ہے اور اس اعتبار سے اس کی ادائیگی کا وہ مکلف ہے۔ نماز و زکوٰۃ کی طرح اس کا کوئی وقت متعین نہیں لہذا داعی یہ ذمہ داری ہمہ وقت اور جملہ احوال و ظروف میں ادا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے تعلق سے یہ خبر دی ہے:

”قال رب انی دعوت قومی لیلاً و نھاراً ...... ثم انی اعلنت لھم و اسررت لھم اسراراً“ (سورۃ نوح: ۵-۹)

”اس نے عرض کیا اے میرے رب! میں نے اپنی قوم کو شب و روز پکارا...... پھر میں نے علانیہ بھی ان کو تبلیغ کی اور چپکے چپکے بھی سمجھایا۔“

یہی حال نبی اکرم ﷺ کا بھی تھا۔ آپ اپنی قوم کو دن و رات، اعلانیہ اور چپکے چپکے ہر انداز سے دعوت دیتے تھے۔ اور کوئی بھی چیز آپ کو دعوت الی اللہ سے نہ روک سکی۔

(امتاع الاسماع، مقریزی: ۱۸)

حقیقت یہ ہے کہ داعی اگر اپنی دعوت میں سچا ہو تو اس کی فکر و حرکت کا محور دعوت ہی ہوتی ہے۔ وہ اسی پر غور کرتا ہے، اسی کے لئے سفر کرتا ہے، اور اسی کی راہ میں اپنے اوقات اور کلفتوں کی قربانیاں پیش کرتا ہے۔ کوئی بھی چیز تنگ سے تنگ حالات میں بھی اسے دعوت سے نہیں روک پاتی۔ چنانچہ محمد عربی ﷺ جب مدینہ کی جانب سفر ہجرت میں ابوبکرؓ کے ہمراہ جا رہے تھے تو راستہ میں بریدہ بن الحصیب الاسلمی سے ملاقات ہوئی در آنحالیکہ آپ اپنی قوم کے چند لوگوں کے ہمراہ تھے، تو آپ ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور وہ ایمان لائے۔ (امتاع الاسماع: ۴۴)

یہ واقعہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کار دعوت سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ

ہوتے تھے۔ غور کیجئے سفر ہجرت میں جبکہ قریش آپ کو تلاش کر رہے تھے، آپ نے موقعہ پایا تو فوراً اسلام کی دعوت پیش کر دی۔

اسی طرح یوسف علیہ السلام جب جیل میں مظلومانہ داخل ہوئے تو جیل کی تنگی بھی دعوت الی اللہ سے آپ کو نہ روک سکی۔ چنانچہ جب دو قیدیوں نے آپ سے اپنے اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھی تو، آپ نے اس موقعہ کو غنیمت سمجھا اور جواب دینے سے پہلے ان کے سامنے اسلام کی دعوت ان لفظوں میں پیش کی:

"یا صاحبی السجن أأرباب متفرقون خیر أم اللہ الواحد القہار. ماتعبدون من دونہ الا أسماء سمیتموھا أنتم و آباؤکم ما أنزل اللہ بہا من سلطان ان الحکم الا للہ أمر ألا تعبدوا الا ایاہ ذلک الدین القیم و لکن أکثر الناس لا یعلمون" (سورۃ یوسف: ۳۹-۴۰)

"اے زنداں کے ساتھیو! تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟ اس کو چھوڑ کر تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء واجداد نے رکھ لئے ہیں۔ اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نازل نہیں کی۔ فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لئے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے خود اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو، یہی ٹھیٹھ سیدھا طریق زندگی ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں۔"

☆☆☆☆☆

مدعو کے حقوق

ڈاکٹر عبدالکریم زیدان

مدعو کا یہ بنیادی حق ہے کہ اس کے پاس آکر حق کی دعوت دی جائے۔ داعی اول، نبی اکرم ﷺ قریش کی مجلسوں میں آتے اور انھیں دعوت دیتے۔ موسم حج میں قبائل ووفود کے خیموں میں آتے اور انھیں اسلام سے متعارف کراتے۔

سیرت ابن ہشام میں ہے: "موسم حج میں آپ قبائل عرب کے پاس آتے اور انھیں اسلام کی دعوت دیتے اور اپنی حیثیت ومقام کی توضیح کرتے اور بندگی رب کی جانب بلاتے.... مکہ میں کسی بھی قابل ذکر سردار کی آمد کے بارے میں سنتے تو فوراً اس کے پاس پہنچ جاتے اور اسے اسلام کی دعوت دیتے۔" (ج:۲ ص:۳۱-۳۲)

اہل مکہ اور وہاں آنے والے قبائل کے پاس ہی آپ ﷺ نہیں جاتے تھے بلکہ مکہ سے باہر طائف وغیرہ بھی آپ اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے تشریف لے گئے۔ ابن ہشام میں ہے: "جب طائف پہنچے تو قبیلہ ثقیف کے سرداروں کے پاس تشریف لے گئے اور انھیں اللہ کی جانب بلایا۔"

داعی مدعو کے پاس کیوں جائے گا اس کا جواب یہ ہے کہ:

[۱] تبلیغ نبی اکرم ﷺ کی ذمہ داری تھی۔ "یا أیہا الرسول بلّغ ما أنزل الیک من ربک"

"اے رسول جو وحی آپ کے پاس آپ کے رب کی جانب سے نازل کی گئی ہے اسے لوگوں تک پہنچا دیں۔"

یہ تبلیغ اس بات کو مستلزم ہے کہ ان مقامات تک نبی اکرم ﷺ جائیں جہاں دعوت کی خبر نہ پہنچی ہو یا صحیح شکل میں نہ پہنچی ہو یا صحیح صورت میں تو پہنچی ہو لیکن مدعو آپ کے پاس چل کر وحی سننے کے لئے

آمادہ نہ ہو لہذا ان اسباب کی بنا پر آپ لوگوں کے مقامات اور گھروں تک تبلیغ کے لئے جایا کرتے تھے۔

[۲] بندوں پر آپ کی بے پناہ شفقت، جملہ انسانوں کو ہدایت یافتہ بنانے اور کفر سے نجات و چھٹکارا دلانے کے لئے بے پناہ اور شدید جذبہ آپ کو اس بات پر ابھارتا اور آمادہ کرتا تھا کہ آپ لوگوں کے مکانات اور گھروں تک تبلیغ کے لئے جائیں۔

[۳] اسلام سے دور شخص روحانی اور قلبی مریض ہے اور اسے اس کا احساس و شعور بھی نہیں ہے کہ وہ اس کے علاج کی جانب مائل ہو۔ لہذا ایسے لوگوں کو ان کے امراض سے باخبر کرنے کے لئے ان کے پاس جانا ضروری ہے۔

داعی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس اسوۂ نبوی کی پیروی کرتے ہوئے لوگوں کی مجلسوں اور گاؤں تک اسلام کی تبلیغ کے لئے جائے۔ اے کاش، ہر ہر گاؤں اور دیہات کو داعیوں کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا اور ہر عالم کسی ایک بستی کی اصلاح کے لئے مامور ہو جاتا۔ علامہ غزالی لکھتے ہیں: ''ہر عالم ایک علاقہ یا شہر یا محلہ یا مسجد یا مشہد کا ذمہ دار ہو جائے اور انھیں ان کے دین کی تعلیم دے، ان کے نفع و نقصان کی تمیز کرائے اور انھیں اس چیز کو بتلائے جو سعادت دارین کا سبب ہیں اور شقاوت ابدی سے اسے بچائے۔ اور عالم اس انتظار میں نہ رہے کہ اس کے پاس آ کر پوچھا جائے بلکہ خود لوگوں کے پاس آ کر انھیں دعوت دے کیونکہ علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اور انبیاء نے لوگوں کو ان کی جہالت پر باقی نہ چھوڑا بلکہ وہ ان کے گھروں اور ان کی مجلسوں میں ایک ایک فرد کی رہنمائی کے لئے جاتے تھے۔ یہ چیز علماء پر فرض عین ہے اور حکام وسلاطین کی ذمہ داری ہے کہ وہ ہر گاؤں اور محلہ میں ایک دیندار فقیہ کو متعین کریں جو لوگوں کو دین کی تعلیم دیں۔ کیونکہ لوگ شریعت سے ناواقف ہوتے ہیں لہذا ان تک دعوت کی تبلیغ پہنچانا لازمی ہے۔ (احیاء علوم الدین: ج:۳ ص:۴۵)

کسی انسان کو حقیر نہ سمجھا جائے:

داعی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ کسی انسان کو حقیر سمجھتے ہوئے اسے دعوت دینے سے اعراض کرے کیونکہ ہر انسان کا حق ہے کہ اسے دعوت دی جائے۔ ہو سکتا ہے جس کی داعی کی نگاہ میں کوئی وقعت نہ ہو اس کا اسلام کی خدمت کی بناء پر خدا کے یہاں کافی بلند مقام ہو۔ سیرت میں یہ واقعہ مذکور ہے

کہ ہجرت سے تین سال پہلے آپ ﷺ نے موسم حج میں جملہ قبائل عرب کے سامنے اپنے معاملہ کو رکھا اور دعوت پیش کی۔ لیکن کسی نے بھی لبیک نہ کہا۔ اسی اثناء میں آپؐ نے منیٰ میں عقبہ کے پاس قبیلہ خزرج کے چھ افراد کو اپنے سر منڈواتے ہوئے دیکھا۔ چنانچہ آپؐ ان کے پاس بیٹھ گئے اور انھیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی چند آیات پڑھ کر سنائیں۔ تو انھوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہا اور پھر وہ مدینہ آئے اور اہل مدینہ کے سامنے نبی اکرم ﷺ کا معاملہ رکھا، اور انھیں اسلام کی جانب بلایا تو اسلام ان کے درمیان پھیل گیا یہاں تک کہ انصار کا کوئی بھی گھر آپؐ کے ذکر سے خالی نہ بچا۔

(امتاع الاسماع: ۳۲-۳۳)

سوچئے آپؐ نے ان چھ افراد کے معاملہ کو جو سر منڈوا رہے تھے حقیر نہ سمجھا کہ جب جملہ قبائل نے انکار کر دیا تو یہ کیا لبیک کہیں گے اور سر منڈوانے میں مشغول ان لوگوں سے کیا توقع وابستہ کی جائے۔ پھر یہی چھ افراد مدینہ میں اسلام کے بنیادی داعی بنے۔ لہذا داعی کو چاہئے کہ وہ آپ کی سیرت کی پیروی کرے کیونکہ کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے اس کے ہاتھوں خیر کثیر کا ظہور ہو جس میں داعی بروقت کوئی بھلائی نہیں پا رہا ہے۔

☆☆☆☆☆

جاہلی معاشروں اور بت پرست علاقوں میں
خفیہ دعوت کی مشروعیت

ابوطوبیٰ فلاحی

جاہلی معاشروں اور بت پرست علاقوں میں خفیہ دعوت وتبلیغ مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز سراً کیا تھا اور تقریباً تین سال تک آپ خفیہ تبلیغ کرتے رہے یہاں تک کہ السابقون الاولون کی ایک مخلص ٹیم تیار ہوگئی تب آپ ﷺ نے اعلانیہ دعوت کا آغاز کیا۔ لہٰذا دعوت کا آغاز ان لوگوں سے کیا جائے جو معتمد علیہ اور قابل اعتبار ہوں اور جن سے داعی کے گہرے اور مضبوط روابط ہوں تاکہ اول دھلہ میں ہی داعی دشمنوں کی نگاہ میں نہ آجائے۔ دشمنوں کی گرفت سے بچنے کے لئے اور ان سے ہوشیار رہنے کے لئے ایسا کرنا جائز ہے۔ اسکے دلائل درج ذیل ہیں:

[۱] ”وقال رجل مؤمن من آل فرعون یکتم ایمانه اتقتلون رجلا ان یقول ربی الله وقد جاءکم بالبینات من ربکم“ (سورۃ المومن: ۲۷)

”آل فرعون میں سے ایک مومن شخص جو ایمان چھپائے ہوئے تھا بول اٹھا، کیا تم ایک شخص کو صرف اس بناء پر قتل کردو گے کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے بینات لے آیا ہے۔“

اس مومن کا قصہ جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا بلانکیر کے قرآن میں بیان کیا گیا ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ضرورت کے وقت آدمی اپنا ایمان بھی چھپا سکتا ہے۔ تو داعی تو کافروں سے اپنی اس حیثیت کو بدرجہ اولیٰ خفیہ رکھ سکتا ہے۔

[۲] کتب سیرت میں ابوبکرؓ کے بارے میں یہ وارد ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو انھوں

نے اپنے اسلام کا اظہار کیا..... اور پھر اپنی قوم کے ان معتبر اور قابل اعتماد لوگوں کو اسلام کی دعوت پیش کی جو آپ کی مجلس میں آتے تھے۔ (ابن ہشام: ج:۱ ص:۲۶۸)

[۳] قرآن مجید کی متعدد آیتوں میں کافروں سے چوکنا اور ہوشیار رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اشاعت دین وتبلیغ اسلام میں خفیہ طریقہ کو اقلیت کے لئے ملحوظ رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ بلاوجہ اشتہار واعلان سے ردعمل میں شدت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی چیز قبول حق کے لئے مانع بن جاتی ہے کیونکہ ردعمل میں مخالفین پروپیگنڈے کا استعمال کرتے ہیں اور اس سے بہرحال ناواقف ذہن مسموم ہوجاتے ہیں اور ادھر ادھر کان نہیں دھرتے۔ اسلام میں تبلیغ کے لئے حسن موعظت اور حسن جدال کا اصول بھی بیان کیا گیا ہے وہ بھی اسی نوع کی تبلیغ کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں کسی جگہ ایک خاص جماعت حق بن جائے تو اعلان واظہار کے ذریعہ بھی تبلیغ کی جاسکتی ہے۔ لیکن ضروری نہیں کہ اس کو استعمال ہی کیا جائے۔ اعلانیہ تبلیغ مفید ہو تو اس کو اختیار کیا جانا ضروری ہے ورنہ اس سے احتراز واجب ہے کہ اصل چیز ترویج اسلام اور اشاعت دین متین ہے نہ کہ طریقہ تبلیغ ووسیلہ اشاعت۔

(معاصر مسلم اقلیتوں کے لئے اسوہ نبوی: ڈاکٹر یٰسین مظہر صدیقی)

ڈاکٹر عبد الکریم زیدان نے اس مسئلہ پر سوال وجواب کے انداز میں یوں روشنی ڈالی ہے:

”جب کافروں سے چوکنا رہنا شرعاً واجب ہے تو کیا داعی کو اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے اور کیا ضرورت کے وقت اسباب حذر کو اختیار کرنا داعی پر واجب ہوگا؟ ہاں، داعی کو بھی اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ جیسے اگر وہ افریقہ یا ایشیا کے بت پرست معاشروں میں دعوتی فریضہ انجام دے رہا ہو اور سرداران قوم داعی کے خلاف چالیں چل رہے ہوں اور تبلیغ دین میں رکاوٹیں پیدا کر رہے ہوں یا اس کو ہلاک کرنا چاہ رہے ہوں تو ان حالات میں اس پر اسباب حذر کو اختیار کرنا واجب ہوگا کیونکہ چھوڑنے اور غفلت برتنے کی صورت میں وہ ہلاک ہوسکتا ہے اور دعوت کی راہ میں اس کا جہاد منقطع ہوسکتا ہے اور ہلاکت کی جگہوں سے امکان کے باوجود بھی اپنے آپ کو نہ بچانا حرام ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں ہلاکت کو دفع کرنے والے اسباب کو اپنانا واجب ہوگا۔ پھر داعی کی زندگی تبلیغ واشاعت دین کے لحاظ سے بے حد ضروری ہے اور حذر کو چھوڑنے کی صورت میں اس قیمتی زندگی کا چراغ گل ہوسکتا ہے جس سے تبلیغ و

اشاعت کی بھلائی کا سلسلہ رک جائے گا لہذا اس پہلو سے اسباب حذر کو اختیار کرنا واجب ہے۔

(اصول الدعوۃ: ص: ۴۵۲)

موجودہ حالات میں اقلیتوں کے لئے خفیہ تبلیغ زیادہ مفید ہے کیونکہ حالات زمانہ اور مزاج اقوام اور ملکوں کی سائیکی اب اس کا زیادہ تقاضا کرتے ہیں۔ غور کیجئے ہندوستان کا مذہبی طبقہ جو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کو اپنے لئے تشویشناک سمجھتا ہے وہ اپنے معاشرے میں نفوذ اور اسلام کی اشاعت کو علانیہ کیسے برداشت کرسکتا ہے۔ لہذا داعی کو چاہئے کہ وہ اپنی کوششوں اور دعوتی جدوجہد کی تفصیلات کو چھپائے اور اسے بلاضرورت میڈیا میں نہ لائے۔ کتب سیرت میں ہے "نبی اکرم ﷺ جب بھی کسی غزوہ میں نکلتے تو اس کی تصریح نہ کرتے اور مطلوب ومقصود کے بجائے دوسری سمت کی خبر دیتے سوائے غزوہ تبوک کے سفر کی دوری کی بناء پر آپؐ نے اس کو بتادیا تھا۔" (ابن ہشام: ۱۲۹/۴)

داعی اگر دعوتی تفصیلات اور اس کی جملہ جزئیات کو بار بار اخبارات میں لائے تو اس سے ترفع اور بلند ہونے کا احساس پیدا ہونے لگتا ہے اور پھر یہ بھی اندیشہ ہے کہ شہرت وریاء کے خاطر وہ اس مقدس فریضہ کو انجام دینے لگے جس سے اس کا شرف مجروح اور اور فریضہ کا تقدس پامال ہوجائے۔

(اعاذنا اللہ منہ)

☆☆☆☆☆

تبلیغ میں تدریج

تحریر: ڈاکٹر عبداللہ الزبیر عبدالرحمٰن
ترجمانی: رئیس احمد

اسلام نے اپنی دعوت کو لوگوں تک پہنچانے میں تدریج کا لحاظ کیا ہے۔ نیز شرعی احکام اور مختلف ذمہ داریوں کا مکلف بنانے میں بھی تدریج سے کام لیا ہے۔ چنانچہ انبیاء ورسل کی بعثت کا سلسلہ منقطع ہونے کے باوجود تبلیغ زندگی کے تمام شعبوں، مختلف ذمہ داریوں اور مختلف اقوام کے درمیان جستہ جستہ ہوئی۔

رسولوں کے درمیان تدریج دعوت: ہر رسول کی تبلیغ پورے دین کا احاطہ کرنے والی مکمل تبلیغ نہیں تھی بلکہ تبلیغ نے کسی خاص مسئلہ پر ابتداء میں توحید یا کسی خاص قوم یا امت تک محدود رہی۔ رسولوں کی مسلسل آمد، تجدید دعوت اور کتب آسمانی کے نزول کے ذریعہ تبلیغ میں توسع پیدا ہوتا گیا حتی کہ وہ پورے دین پر محیط ہوگئی اور اللہ کی اس نعمت کو پایہ تکمیل تک پہنچادیا جو بندوں پر اللہ کا احسان ہے۔ جو دین اس کے بندوں کے لئے پسند کیا ہے جس کے علاوہ کوئی دین اس کے نزدیک قابل قبول نہیں۔ چنانچہ وحی الٰہی دنیا کے مختلف گوشوں میں آغاز دعوت کے ہزاروں سال بعد لوگوں کے سامنے باآواز بلند کہہ رہی ہے۔
"آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کردیا ہے۔ اور اپنی نعمت تم پر مکمل کردی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔" (المائدۃ: ۳) اور اللہ کا یہ قطعی فیصلہ بھی سنادیا کہ "جو غیر اسلام کو بطور دین اختیار کرے گا تو وہ ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔" (آل عمران: ۸۵)

قرآن مجید کا مطالعہ کرنے والا اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ مختلف انبیاء کی دعوت تکمیل دین کی جانب گرم سفر تھیں کیونکہ ہر رسول اپنی امت کو دین کے کسی خاص جزء کی تبلیغ کرتا تھا اور ان کی زندگی کے کسی خاص شعبہ کی اصلاح کرتا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کی سرکشی کی بیماری کا علاج کیا اور فرعون کی غلامی سے انھیں آزادی دلانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھیں یہی ذمہ داری دی گئی تھی۔ وہ فرعون سے کہتے ہیں۔ ''ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو آزاد کردے۔'' اور اس سے کہتے ہیں۔ ''تمہارا مجھ پر یہی احسان ہے کہ تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔'' (شعراء: ۱۷-۲۲)

شعیب علیہ السلام مال و دولت اور تجارت میں اللہ کے حکم کی تبلیغ کرتے ہیں۔ وہ اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ وہ ڈنڈی نہ ماریں اور ناپ تول میں کمی نہ کریں اور اپنے مال میں اللہ کے حق کو پہچانیں۔ وہ ان سے کہتے ہیں: ''پورا پورا ناپو اور کم کرنے والوں میں سے نہ ہو ٹھیک ٹھیک ترازو سے وزن کرو، لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو، زمین میں فساد پھیلاتے نہ پھرو۔'' (شعراء: ۱۸۱-۱۸۳)

صالح علیہ السلام فساد اور فسادیوں کا سامنا کرتے ہیں اور کہتے ہیں: ''اللہ سے ڈرتے رہو اور میری بات مانو۔ حد سے تجاوز کرنے والوں کے کہنے پر مت چلو جو زمین میں بگاڑ پیدا کررہے ہیں اور اصلاح نہیں کررہے ہیں۔'' (شعراء: ۱۵۰-۱۵۲)

لوط علیہ السلام اپنی قوم کو اخلاقیات اور حسن سلوک کی تعلیم دیتے ہیں۔ وہ جنسی بے راہ روی، فواحش و منکرات کا سامنا کرتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں: ''تم ایسے فحش کام کرتے ہو جنھیں تم سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ کیا تم مردوں سے جنسی تعلقات رکھتے ہو اور درست راستہ کو کاٹ رہے ہو اور اپنی مجلس میں منکر کا ارتکاب کررہے ہو۔'' (عنکبوت: ۲۸-۲۹)

نوح اور ابراہیم علیہما السلام اپنی قوم میں رائج عقیدہ کی خرابی کی اصلاح پر توجہ دیتے ہیں۔ اللہ کے تعلق سے شرک کا خاتمہ کرتے ہیں اور اللہ کے علاوہ دیگر معبودان باطل سے ان کے تعلق کے جرم پر انذار کرتے ہیں۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ کسی خاص قوم، خاص بات یا عادت یا خاص عقیدہ کی تبلیغ جاری رہی۔ اگرچہ بعض رسولوں نے زندگی کے کئی پہلوؤں اور کئی باتوں پر توجہ دی۔ اس طرح تبلیغ کا کام رسولوں کے تسلسل کے ساتھ وسیع ہوتا گیا یہاں تک کہ یہ کام محمد ﷺ کی زبان مبارک کے ذریعہ پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

[۲] مبلغین کی تیاری میں تدریج کا لحاظ:

تبلیغ کے تعلق سے یہ بھی بڑی اہم چیز ہے۔ اس کی بنیاد بھی تدریج پر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دعوت کے سرخیل اور قائدین امت کی اخلاقی تیاری میں بھی اس امر کو ملحوظ رکھا ہے۔

اس کی واضح ترین مثال محمد ﷺ پر نازل ہونے والی وحی ہے۔ سب سے پہلے اس نے ان کی فکر اور عقل کو تیار کیا۔ یہی وہ چیز ہے جس پر سب سے پہلے توجہ دی جانی چاہئے، اس کا خیال کیا جانا چاہئے اور اس کی تربیت کرنی چاہئے۔ چنانچہ سب سے پہلے وحی قرآن کی اس آیت کی شکل میں ان کے پاس آئی ہے۔ ''اپنے اس رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا ہے۔'' (علق: ۲)

پھر دوسری بار وحی آپ کی روح اور آپ کی نفس کو تیار کرتی ہے تاکہ دائمی عبادت گزار اور زکی النفس ہو جائے۔ چنانچہ اس قول کی شکل میں نازل ہوتی ہے۔ ''اے چادر لپیٹنے والے، رات میں قیام لیل کرو مگر تھوڑا، نصف یا اس سے کچھ کم کرو، یا اس میں اضافہ کردو اور قرآن مجید ترتیل کے ساتھ پڑھو۔'' (مزمل: ۱-۴)

تیسری مرتبہ براہ راست ان کی تیاری پر توجہ دیتا ہے۔ آپ معاشرے کی تبدیلی کا کام انجام دیتے ہیں۔ اپنی قوم کی سرکشی اور ضد کو جھیلتے ہیں اس لئے اس وقت اپنی دعوت کے راستہ میں صبر و استقامت لازم ہے تاکہ تبلیغ جاری رہے اور کامیابی تک پہنچا جاسکے۔ اس لئے راہ خدا میں ثابت قدم رہنے والی شخصیت کی تعمیر وحی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے: ''اپنے رب کے واسطے ثابت قدم رہو۔'' (مدثر: ۷) اور انھیں بتایا جاتا ہے کہ ثابت قدمی اور مدعو کو مہلت دینا اولوالعزم رسولوں کی روش ہے۔ اس لئے آپ سے اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔ ''اولوالعزم رسولوں کی طرح آپ بھی ثابت قدم رہئے اور ان لوگوں کے تعلق سے جلد بازی نہ کیجئے۔'' (احقاف: ۳۵)

اس کے بعد دعوت و تبلیغ کے علاوہ تکمیل رسالت کی وحی آتی ہے۔ آپ سے اللہ کہتا ہے: ''یقیناً ہم آپ پر عنقریب ایک گراں قول اتاریں گے۔'' (مزمل: ۵) ان تمام کے بعد آپ کو دعوت و تبلیغ کا حکم دیا جاتا ہے۔ ''اے چادر لپیٹنے والے اٹھ کھڑے ہو اور انذار کرو۔'' (مدثر: ۱-۲)

ان تمام مراحل کے ذریعہ حاملین تبلیغ داعی رسولوں کو تیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ پہلے مرحلہ میں

عقل وفکر کو تیار کیا جاتا ہے، پھر روح اور عبادت گزار پاکیزہ نفس کی تیاری کا مرحلہ آتا ہے، اس کے بعد صابر وحلیم داعی شخصیت تیار کی جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کو حامل رسالت بنایا جاتا ہے اور تبلیغ کی ذمہ داری نہیں دی جاتی، اس مرحلہ کے بعد تبلیغ اور حکم الٰہی کو علی الاعلان عام کرنے کا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔

[۳] مدعو قوم کے ساتھ تدریج کا لحاظ:

یہ تیسرا پہلو ہے جس کا تبلیغ دعوت میں اللہ کے رسول کی زبانی اسلام نے لحاظ رکھا ہے۔ تبلیغ و رسالت میں تدریج اور مبلغین اور داعیوں کی تیاری میں تدریج کے بعد یہ مدعو قوم کے لحاظ کی بات ہے۔

قرآن نے تبلیغ اسلام اور علی الاعلان اس کی دعوت دینے میں رسول کو ہدایت دی ہے کہ یہ کام مرحلہ وار اور بتدریج ہو۔ اقارب سے اس کا آغاز کیا جائے اور بتدریج تمام انسانوں تک یہ پہنچائی جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ کو اول مرحلہ میں ہی تمام لوگوں کی تبلیغ کا ذمہ دار نہیں بنایا تھا۔

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں باب دعوت کی ترتیب میں: اس کے کئی مراحل ہیں۔
۱۔نبوت ۲۔اپنے اقارب کو انذار ۳۔اپنی قوم کو انذار ۴۔اس قوم کو انذار جس میں کوئی نذیر نہیں آیا تھا، اس سے مراد تمام اہل عرب ۵۔تا قیامت تمام انس و جن کو انذار جن تک بھی دعوت پہنچے......

[۴] مقدار تبلیغ میں تدریج:

تبلیغ میں تدریج کا یہ چوتھا پہلو ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ دین کے حقائق اس کے قوانین و احکام کی تبلیغ میں تدریج ہے۔ داعی دین کے جملہ حقائق و احکام کو یک بیک لوگوں کے سامنے نہیں پیش کرے گا۔ بلکہ ان کی جانب سے مطلوبہ مقدار کو بتدریج پیش کرے۔

داعی اس کی تبلیغ میں تدریج سے کام لے اور ان چیزوں پر مسلسل گہری نگاہ رکھے جو بڑی اہم ہیں اور تبلیغ کی نوعیت اور اس کی مقدار کی تعیین کرنے والی ہیں۔

ان لوگوں کے حالات پر نگاہ رکھے جن کو وہ تبلیغ کرنا چاہتا ہے۔ کیا وہ اسلام میں نئے نئے داخل ہوئے ہیں؟ کیا ان کے اندر دینداری کی روح رواں دواں ہے؟ جو تبلیغ ان کے سامنے پیش کی جانے والی ہے کیا وہ اس کو سہار سکیں گے یا اس کی کچھ مقدار کے متحمل بننے کے اہل ہیں؟ وغیرہ۔

کیونکہ اسلام سے تازہ تازہ واقف کار کو پورے دین کی دعوت موزوں نہیں، اس کو صرف اتنی

بنیادی باتوں کی تبلیغ کی جائے گی جو ایک آدمی کے مسلم بننے کے لئے لازمی ہیں پھر آسان سے آسان تر کا لحاظ کرتے ہوئے اہم چیزوں کی تبلیغ کی جائے گی۔

جن افراد کے اندر دینداری کے جذبہ کا فقدان ہو، جہاں برسہا برس سے دینی جذبہ ہی دبا ہو تو ایسے لوگ ذمہ داریوں اور تبلیغ کو یک بیک اٹھانے کی صلاحیت واستطاعت نہیں رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کو ایک عرصہ تک تبلیغ کی جائے گی یہاں تک کہ عرصہ دراز سے مقصود دینی جذبہ ان میں پلٹ آئے۔

داعیوں کے سردار محمد مصطفی ﷺ نے جب معاذ بن جبل کو ان باتوں کا خیال رکھنے اور جہاں ان کو بھیجا جا رہا تھا ان کے حال کے مطابق تبلیغ کی مقدار کی تحدید کا حکم دیا تھا۔ جن اہل ایمان کے درمیان معاذ کو بھیجا جا رہا تھا وہ اہل کتاب تھے جنھیں ان کے اس پرانے دین سے جدید دین اسلام کی طرف منتقل کرنا تھا، جس کی تعلیمات ان کے رگ وریشہ میں پیوست تھیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے کہا تاکہ ان کے لئے کچھ چیزوں کی تحدید کردیں، وہ کس سے آغاز کریں گے؟ اور سب سے پہلے کیا پیش کریں گے، اور تبلیغ کیسے کریں گے؟

"تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو اس لئے تم ان کو دعوت دینا کہ اللہ کے علاوہ کوئی حاکم نہیں اور یہ کہ میں اس کا رسول ہوں......" ایک روایت میں آیا ہے "سب سے پہلے تم ان کو اللہ عزوجل کی عبادت کی دعوت دینا، پھر اگر وہ لوگ اس کو قبول کرلیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے دن اور رات میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے، پھر اگر وہ اس کو تسلیم کرلیں تو انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے مالداروں سے لیا جائے گا اور ان کے ضرورت مندوں میں تقسیم کردیا جائے گا، پھر اگر وہ اس کو بھی مان لیں تو تم ان کے بہترین مال کو لینے سے پرہیز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔

ابن تیمیہؒ نے اس کی وضاحت اس طرح کی ہے: "بندوں پر حجت محض دو چیزوں سے قائم ہوتی ہے۔ خدا کے نازل کردہ احکام کا پتہ علم اور اس پر عمل کی قدرت وطاقت۔ کیونکہ علم سے عاجز شخص پاگل کی طرح ہے یا عمل سے عاجز شخص کی طرح ہے وہ امر ونہی کی ذمہ داری سے بری ہے۔ اگر دین کے

کچھ حصہ کا علم نہ ہو یا دین کے بعض حصہ سے عاجزی پائی جائے تو یہ چیز علم یا عمل سے عاجز شخص کے حق میں جائے گی۔ جس طرح پورے دین سے ناواقف شخص کی حالت ہوتی ہے یا پورے دین سے عاجز شخص کی حالت پاگل کی طرح ہے۔ یہ مختلف وقتوں کے اوقات ہیں۔ جب دین کے حامل، علماء، امراء کا گروپ موجود ہو تو اس دین کو رسول اللہ ﷺ کی طرح بتدریج بیان کریں کیونکہ آپ کو یہ دین تھوڑا تھوڑا دیا گیا تھا اور یہ بات بھی واضح ہے کہ رسول اسی کی تبلیغ کرتا ہے جس کا سیکھنا ممکن ہو اور جس پر آسانی سے عمل کیا جاسکے۔

اسی مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے ابن تیمیہ کہتے ہیں: اسی طرح دین کی تجدید کرنے والا اور سنت کو زندہ کرنے والا اتنی ہی تبلیغ کرتا ہے جس کا علم ممکن ہو اور جس پر عمل پر قدرت حاصل ہو۔ اس لئے کہ دین اسلام کو قبول کرنے والے کو قبولیت کے وقت پہلی فرصت میں پوری شریعت کی تلقین ممکن نہیں اور نہ ہی تمام احکام کا حکم دیا جاسکتا ہے...... اسی طرح گناہوں سے توبہ کرنے والے، علم کے چاہنے والے اور طالب ہدایت کو بھی پہلے ہی مرحلہ میں مکمل دین نہیں بتایا جاسکتا اور اس کے سامنے تمام معلومات بھی پیش نہیں کی جاسکتی ہیں اس لئے کہ وہ اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ اور جب وہ اس پر قدرت نہیں رکھتا تو اس حال میں یہ چیز اس پر واجب بھی نہیں ہوگی۔ جب یہ واجب ہی نہیں ہوگی تو عالم یا امیر کے لئے موزوں نہیں کہ پورا دین پہلے ہی مرحلہ میں واجب قرار دے دیں بلکہ وہ ایسے امور ہی سے پرہیز کرے گا جس کا علم اور اس پر عمل ممکن نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس پر علم وعمل کی قدرت حاصل ہوجائے۔

☆☆☆☆☆

راہِ دعوت کی پریشانیاں

''تاریخی جائزہ''

ڈاکٹر محمد امان بن علی الجامی

تاریخ کے مختلف ادوار میں داعیوں اور رسولوں کی راہ میں جو پریشانیاں آئیں اور جن آزمائشوں سے وہ دوچار ہوئے ان کی معرفت داعیوں کے لئے ابتلاء وآزمائش کی راہ کو آسان بنادیتی ہے۔

راہِ دعوت میں آزمائش کا آنا یقینی ہے۔ ورقہ بن نوفل نے نبی اکرم ﷺ سے کہا تھا "ما جاء احد بمثل ما جئت به الا اوذی" (البخاری، بدأ الوحی) "جو دعوت آپ لے کر آئے ہیں وہ دعوت کوئی لے کر نہ آیا مگر اسے تکلیفیں دی گئیں۔"

داعیانِ حق کے لئے یہ اللہ کی سنت رہی ہے۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کی جانب سے استہزاء، عناد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ دیکھا۔ آپ حق کی دعوت پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ جاہلیت آپے سے باہر ہوگئی اور اس نے عناد اور مکابرہ کی راہ اپنائی تو آخر میں نوح علیہ السلام نے ان کی ایذاؤں سے خدا کی پناہ طلب کی اور ان کے خلاف یوں بددعا فرمائی:

"رب لا تسلر علیٰ الأرض من الکافرین دیاراً انک ان تذرهم یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجراً کفاراً" (سورۃ نوح: ۲۶-۲۷)

"اے میرے رب زمین پر کسی بھی کافر کو زندہ نہ چھوڑ کیونکہ تو اگر انھیں زندہ چھوڑے گا تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور صرف فاجر اور ناشکرے کو ہی جنیں گے۔"

ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے آپ کی دعوت پر یہ فیصلہ صادر فرمایا:

"حرقوه وانصروا آلهتكم ان كنتم فاعلين" (سورۃ الانبیاء: ۶۸)

''آگ میں جلادو اسے اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کرنے والے ہو۔''

اس پر خدا کا یہ فیصلہ آیا: ''یا نار کونی برداً و سلاماً علیٰ ابراهیم و ارادوا به کیداً فجعلناهم الأخسرین'' (سورۃ الانبیاء: ۶۹-۷۰)

''اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی کا ذریعہ بن جا۔ انھوں نے ابراہیم کے ساتھ چالیں چلیں تو ہم نے انھیں ان کی چالوں میں نامراد بنادیا۔''

رہے عیسیٰ علیہ السلام تو دعوت حق کی بنا پر رومیوں اور یہودیوں نے آپ کو قتل کرنے اور تختہ دار پر لٹکانے کی کوشش کی۔ روی جب وہاں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ایک روشندان کے ذریعہ جسم و روح کے ساتھ آپ کو اوپر اٹھالیا۔ اور آپ کے غدار حواری پر آپ کی شبیہ ڈال دی گئی۔ لوگوں نے اس خائن کو پکڑا اور پھر تختہ دار پر لٹکا دیا۔

رہے محمد عربی ﷺ تو مشرکین مکہ نے آپ کو برے القاب سے نوازا۔ آپ کی دعوت کے تعلق سے طرح طرح کے غلط پروپیگنڈے کیے گئے۔ مال، ریاست کے ذریعہ راہ حق سے ہٹانے کی کوششیں کی گئیں اور بالآخر آپ کے قتل کا فیصلہ کیا گیا۔

رہے آپ کے جملہ صحابہ تو راہ حق میں انھیں طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں۔ سرخ انگاروں پر لٹایا گیا۔ مکہ کی گلیوں میں گھسیٹا گیا۔ نیزوں سے شہید کیا گیا۔ تاریخ کے اوراق راہ حق میں صحابہ پر آنے والی نوع بہ نوع کی پریشانیوں اور ان کی بے مثال استقامت پر گواہ ہیں۔ مثال کے طور پر حضرت خبیبؓ بن عدی کا قصہ ہدیہ قارئین کیا جارہا ہے۔ کتب سیرت کے مطابق خبیبؓ کو نبی اکرم ﷺ نے مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع قبائل عضل اور قارہ کے پاس تبلیغ دین کے لیے بھیجا۔ راستہ ہی میں آپ کو مشرکین نے اغوا کرلیا۔ پھر مکہ لے جائے گئے اور وہاں بنو الحارث بن عامر بن نوفل نے خرید لیا تاکہ وہ انھیں حارث بن عامر کے بدلے میں قتل کریں جنھیں خبیبؓ نے غزوۂ بدر کے موقع پر قتل کیا تھا۔ طے شدہ دن وہ آپ کو لے کر مقام تنعیم تک نکلے تاکہ تختہ دار پر لٹکانے کے بعد آپ کو قتل کردیں۔ آپ نے ان سے دو رکعت نماز کی اجازت طلب کی انھوں نے اجازت دیدی۔ آپ نے دو عمدہ اور بہترین رکعتیں ادا کیں اور پھر فرمایا اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم لوگ یہ گمان کرنے لگو کہ میں موت سے ڈر رہا ہوں تو میں مزید

لمبی رکعت پڑھتا۔ پھر خبیبؓ کو تختۂ دار پر چڑھایا گیا اور کہا گیا، اسلام سے پھر جاؤ ہم تمہارا راستہ چھوڑ دیں گے۔ آپؓ نے جواب دیا: نہیں، خدا کی قسم مجھے اسلام سے پھرنا پسند نہیں خواہ پوری دنیا ہی مجھے اس کے عوض کیوں نہ مل جائے۔ تختۂ دار پر لٹکے ہوئے آپ نے کہا'' اللهم انی لا اریٰ الا وجه العدو اللهم انه لیس هاهنا احد یبلغ رسولک منی السلام بلغه عنی انت'' ''اے خدا میں یہاں صرف دشمنوں کے چہرے کو دیکھ رہا ہوں، یہاں کوئی نہیں ہے جو میرا اسلام تیرے رسول کو پہنچا دے۔ اے خدا تو میرا اسلام ان تک پہنچا دے۔ چنانچہ جبرئیل امین نے آپ کے سلام کو نبی اکرم ﷺ تک پہنچایا اور آپ ﷺ نے اس کی اطلاع صحابہ کرام کو دی۔

تختہ دار پر لٹکانے کے بعد کافر آپ کی جلد کو نیزوں سے چھیدنے لگے، اس دوران آپؓ اپنے درج ذیل اشعار گنگناتے رہے:

لقد اجمع الأحزاب حولی و ألبوا	قبائلهم و استجمعوا کل مجمع
الی الله اشکو غربتی بعد کربتی	و ما ارصد الاحزاب عند مصرعی
و ذلک فی ذات الاله و ان یشا	یبارک علی اوصال شلو ممزع
و لست اُبالی حین اُقتل مسلماً	علی ای جنب کان فی الله مصرعی

اس سرسری جائزے سے یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ ماضی میں راہ دعوت میں آنے والی پریشانیوں اور مشکلات کو درج ذیل تین نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے:

[۱] دعوت کو روکنے کے لیے داعیوں اور ان کے پیروکاروں کو عذاب سے دوچار کیا گیا۔

[۲] راہ حق سے انھیں پھیرنے اور دعوت سے باز رہنے کے لیے مال و جاہ کا جھانسہ دیا گیا۔

[۳] دعوت کو آغاز ہی میں ختم کرنے کیلیے داعی کو قتل یا بند یا جلاوطن کرنے کی کوشش کی گئی۔

عصر حاضر میں مذکورہ بالا مشاکل کے ساتھ ساتھ درج ذیل مشاکل کا بھی اضافہ ہوگیا:

[۱] اسلام کے غلط تصور کا اسلامی سماج میں رواج و انتشار

[۲] دعاۃ کے قول و عمل میں تناقض و تضاد کا پایا جانا

کتنے ہی دعاۃ ایسے ہیں جو وعظ تو کہتے ہیں لیکن خود وعظ سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ وہ کہتے

ہیں جو کرتے نہیں۔ نیکیوں کا حکم دیتے ہیں اور خود بجا نہیں لاتے۔ برائیوں سے روکتے ہیں اور خود نہیں رکتے۔ ایسے دعاۃ ہیں جن کے افعال ان کے اقوال کی تکذیب کرتے ہیں۔ ہم منبر پر سے حساس خطبہ سنتے ہیں اور عملاً کچھ بھی نہیں پاتے۔ بلکہ صورت حال یہاں تک پہنچ گئی ہے دعوت واصلاح سے منسلک بعض واعظین نماز اور جمعہ تک چھوڑ دیتے ہیں اور پوچھنے پر کہتے ہیں ہم اجازت و رخصت پر ہیں۔

[۳] دعوتی جماعتوں کے درمیان نفرت کا پایا جانا اور باہمی ہم آہنگی و توافق کا فقدان:

سیاسی جماعتوں کی طرح دینی و دعوتی واصلاحی جماعتیں بھی اپنے مخصوص مناہج، پالیسیوں، اغراض واہداف کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھ جانے کا شدید جذبہ رکھتی ہیں۔ یہ دعوت کی راہ میں انتہائی عظیم خطرہ ہے۔

[۴] مناہج تعلیم: عصر حاضر میں مختلف اسلامی ملکوں میں مغربی نظام تعلیم رائج ہے۔ یہاں سے فارغین جب رزق کا کوئی وسیلہ یا ذریعہ نہیں پاتے تو دعوتی اداروں سے جڑ جاتے ہیں درآنحالیکہ نہ تو وہ دعوت کے آداب سے واقف ہوتے ہیں اور نہ ہی اسلوب وسیاست سے۔

[۵] بعض گمراہ فرقوں کا اسلام کے نام پر دعوتی کوشش کرنا جیسے صوفیائے کرام، قادیانیت، بہائیت، بابیت، اہل قرآن وغیرہ۔

[۶] پورے عالم میں نشر واشاعت کے وسائل وذرائع کا نہ صرف اسلام مخالف نظریات کا پھیلانا بلکہ دعوت اور دعاۃ کی گمراہ کن تصویر کا پروپیگنڈہ جس سے جمہور کے نزدیک داعیوں کی تصویر بے حد خراب ہو کر رہ گئی ہے۔

راہ دعوت کی خارجی پریشانیاں:

[۱] مادی فلسفیانہ افکار و نظریات کا مشرق و مغرب میں تسلط جن کا بنیادی ہدف ہی عقل و دل سے دین اور دینداری کی جڑوں کا اکھاڑ پھینکنا ہے۔

[۲] علمانی و مارکسی نظریات کا فروغ جو دین وحکومت کے درمیان فصل وجدائی کا قائل ہے۔

[۳] دین اور دینداری سے انحراف اور آزاد ہونے کا عمومی رجحان۔

[۴] عالم اسلام میں عموماً اور بلاد شرک میں خصوصاً ملحدین و منکرین کی جماعتیں اور ان کی

عظیم جدوجہد۔

ان مشکلات اور پریشانیوں پر قابو اسی وقت پایا جا سکتا ہے جبکہ:

[۱] داعیوں کی تعیین کے وقت اس آیت کو مدنظر رکھا جائے:

''اللہ أعلم حیث یجعل رسالتہ''

[۲] اسلامی ملکوں اور مسلم معاشروں میں دعوت ودعاۃ کے لئے کامل حریت فراہم کی جائے:

''و ان المساجد للہ فلا تدعو مع اللہ احداً''

[۳] دعاۃ، راہ دعوت میں ایثار وقربانی کی روایات کو زندہ رکھنے کے لئے اس آیت کا مجسم نمونہ بن جائیں: ''انّ صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ ربّ العالمین''

[۴] رضائے الٰہی وخوشنودی رب کی خاطر دعوت کے کام کو کیا جائے:

''قل لا اسئلکم علیہ أجراً'' کہہ دیجئے میں تم سے اس دعوت پر کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔

[۵] دعاۃ فقہی بصیرت اور دین پر گہرا عبور رکھتے ہوں۔ ''قل ھذہ سبیلی ادعو الیٰ اللہ علی بصیرۃ أنا و من اتبعنی'' کہہ دیجئے یہ میرا راستہ ہے میں خدا کی جانب بصیرت کی روشنی میں بلا رہا ہوں اور میرے پیروکار بھی۔

[۶] دعاۃ اس آیت کو منہاج اور اپنا دستور العمل بنائیں۔

''ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ و جادلھم بالتی ھی أحسن''

''اپنے رب کی جانب حکمت اور بہترین موعظت سے بلاؤ اور ان سے اچھے طریقہ سے مباحثہ کرو۔''

[۷] دعوت کو عالمی وآفاقی بنایا جائے: ''و اوحی الیّ ھذا القرآن لأنذرکم بہ و من بلغ'' ''میری جانب اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم لوگوں کو اس سے آگاہ کروں اور ہر وہ شخص بھی آگاہ کرے جس تک یہ قرآن پہنچے۔''

☆☆☆☆☆

ملی تنظیموں کی دعوتی سرگرمیاں بے اثر کیوں؟

ابونصر ندوی

جب ہم مسلم معاشرہ کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں موجودہ دور کی ساری برائیاں سرایت کر گئی ہیں۔ گھر گھر میں ٹی وی پر ہر قسم کے پروگرام چل رہے ہیں۔ خبریں اور مفید پروگرام کم لیکن فلمیں زیادہ دیکھی جاتی ہیں۔ کیونکہ مختلف چینلوں پر فلمیں ہی زیادہ دی جاتی ہیں۔ آپ اپنی من پسند جو فلم بھی دیکھنا چاہیں بآسانی دیکھ سکتے ہیں۔ اس طرح کے بے شمار چینلوں نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معاشرہ میں عام برائیاں اور بدکاریاں بڑھتی جارہی ہیں جبکہ دینی اجتماعات میں دعوت وتبلیغ اور وعظ ونصیحت کا سلسلہ بھی برسوں سے جاری ہے۔ تقریباً ہر مسجد میں درس قرآن، درس حدیث پابندی سے دیا جاتا ہے۔ جمعہ کے دن عربی خطبہ کے ساتھ اردو خطبہ کا سلسلہ پابندی سے چل رہا ہے۔ آئے دن یک روزہ، دوروزہ اور سہ روزہ اجتماعات اور کانفرنسیں ہوتی رہتی ہیں۔ تقریباً ساری ملی تنظیمیں اپنے اپنے طور پر اجلاس عام کا پروگرام کرتی رہتی ہیں۔ مدارس اسلامیہ میں سالانہ پروگرام ہوتے رہتے ہیں۔ ایک سے زیادہ علماء وخطباء طول طویل تقریریں کرتے ہیں۔ اب تو یہ حال ہے کہ مدارس کے اجلاس میں عشاء کے بعد سے مواعظ وخطبات کا جو سلسلہ شروع ہوتا ہے وہ فجر تک چلتا رہتا ہے۔ اخبارات ورسائل کے ذریعہ نشر واشاعت کا کام انجام پارہا ہے۔ اب تو ہر مرکزی مدرسہ کا آرگن وترجمان نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ مستقل طور سے تمام تصنیفی و تالیفی واشاعتی ادارے کی طرف سے چھوٹے بڑے لٹریچرز شائع ہوتے رہتے ہیں۔ نیز کیسٹ، ویڈیو کیسٹ، وی سی آر اور سی ڈی کے ذریعہ اشاعت اسلام کا کام انجام پارہا ہے۔ اس کے باوجود مسلم معاشرہ میں بے دینی، بے عملی، بدعملی اور بدعات ومنکرات کے شیوع کا گراف بلند سے بلند تر ہوتا جارہا ہے۔ جبکہ تعلیم وتبلیغ کے اتنے سارے وسائل کے استعمال کے بعد برائیوں کا استیصال ہوجانا چاہیے۔ مگر یہاں حال یہ ہے کہ مسلم معاشرہ میں برائیاں بڑھتی جارہی ہیں اور جہاں تک بدعات وخرافات کا معاملہ

ہے تو ایک مقام سے بھی اس کا استیصال نہ ہوسکا، بلکہ اس کی چمک دمک میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ یہی محرم کی بدعات اور رسوم کو لے لیجئے، کیا دیہات کیا شہر ہر جگہ بڑے دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اب تو اس کے ساتھ فسق وفجور بھی شامل ہوگئے ہیں۔ محرم کے اکھاڑے میں فلمی گانے اور ان پر نوجوان ملت تھرکنے لگے ہیں۔ حالانکہ محرم اور اس کی ساری بدعات وخرافات کے متعلق تمام علماء ومفتیان کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ سب ناجائز، حرام اور شرک ہیں۔ ایک طرف محرم کی پہلی تاریخ سے یوم عاشورہ تک راتوں میں دیر تک علمائے کرام کے مواعظ وتقاریر کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو دوسری طرف محرم کے سارے خرافات ورسوم کا سلسلہ رات دیر گئے تک چلتا رہتا ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سارے مواعظ وخطبات، اجتماعات وکانفرنسیں، جرائد ورسائل اور لٹریچرز کے بے اثر ہونے کے اسباب ووجوہ کیا ہیں؟

اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اولاً ہمارے مواعظ وخطبات یک رخی ہوتے ہیں، یعنی ہم اسلام کے ایک ہی پہلو پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ دوسرے پہلو بلکہ اصل پہلو کو نظر انداز کردیتے ہیں۔ ہمارا سارا زور فروعی اور اختلافی مسائل یا واقعات وقصص اور فضائل وسنن پر ہوتا ہے۔ ہم اسلام کی بنیادی تعلیمات کو یکسر نظر انداز کردیتے ہیں۔ توحید وشرک، اتباع رسول، بدعات ورسوم خصوصاً معاشرہ کی قدیم وجدید مہلک برائیوں پر بولتے ہی نہیں۔ جبکہ اسلام کی پہلی تعلیم شرک کی تردید اور توحید کا اثبات ہے۔ قرآن میں امت مسلمہ کا جو اولین فریضہ قرار دیا گیا ہے اس کے بھی دو پہلو ہیں یعنی نیکیوں کے حکم کے ساتھ برائیوں کو روکنا۔ ہماری اکثر جماعتیں اور اکثر مبلغین اور خطباء دوسرے پہلو یعنی معاشرہ کی برائیوں پر انگلی نہیں رکھتے۔ نہی منکر کو نظر انداز کرنے اور اس سے مجرمانہ غفلت کی وجہ سے پچھلی امتوں پر عذاب آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک سے زیادہ احادیث میں امت مسلمہ کو تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر تم نے یہود ونصاریٰ کی روش اختیار کی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہ دیا تو جس طرح ان پر عذاب آیا تم پر بھی آئے گا۔ ایک حدیث میں ہے کہ تمہاری دعائیں قبول نہ کی جائیں گی۔ دوسری حدیث میں ہے کہ مرنے سے پہلے تم پر دنیا ہی میں عذاب آئے گا۔ آج امت مسلمہ عالمی طور سے جن حالات بد کا شکار ہے اور سب سے بڑھ کر ان کا شیرازہ بکھرا ہوا ہے، اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ شرک وبدعات اور

معاشرہ کی منکرات کے سلسلے میں یہ حضرات مجرمانہ حد تک غفلت برت رہے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے منکرات کو روکنے کے لئے اجتماعی جدوجہد نہیں ہوتی۔ جبکہ یہ ایک اجتماعی فریضہ ہے اور اجتماعی کام کے لئے اجتماعی جدوجہد ضروری ہے۔ مگر برصغیر کے علماء و داعیان کا حال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی الگ الگ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی ہے۔ اللہ کے فرمان ”تعاونوا علی البر والتقوی“ کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں اپنے مقصد میں کامیابی نہیں مل رہی ہے۔ ان کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی فوج ایک کمانڈر کے بجائے مختلف ٹولیوں اور جتھوں میں بٹ کر کسی منظم و متحد فوج کا مقابلہ کرے۔ ایسی صورت میں ناکامی کے سوا کیا ہاتھ آسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کو پوری زندگی میں اجتماعیت برقرار رکھنے پر زور دیا ہے۔ ایک امام اور خلیفہ کے تحت زندگی گزارنے کی تاکید کی ہے۔ امام کے بغیر زندگی کو غیر اسلامی زندگی قرار دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صاف اعلان فرمایا: ”اسلام اور اسلامی زندگی کا وجود اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ مسلمان ایک امام یا خلیفہ کے مطیع نہ ہوں۔“ (لا اسلام الا بجماعة ولا جماعة الا بامارة ولا امارة الا بطاعة) کیونکہ اجتماعیت ہی میں طاقت و قوت ہے۔ قرآن اور احادیث میں طاقت و قوت پیدا کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ بلکہ ہر مسلمان پر اجتماعی اور انفرادی دونوں طریقے سے یہ فریضہ عائد کیا گیا ہے کہ جہاں بھی کوئی برائی دیکھو اسے طاقت کے ذریعہ بدل ڈالو ”من رأى منكم منكرا فليغيره بيده“۔

اس لئے علماء و داعیان منکرات کے ازالے کے لئے اجتماعی جدوجہد کریں۔ اگر انتشار میں مبتلا رہے تو قیامت تک معاشرہ سے ایک برائی بھی دور نہیں ہوسکتی اور بحیثیت خیر امت ان کا وجود ختم ہوجائے گا۔

منتشر ہوتی ہے جو قوم فنا ہوتی ہے
مرکزیت ہی میں ملت کی بقا ہوتی ہے

☆☆☆☆☆